نمرہ احمد

فارس غازی انٹیلی جنس کے اعلا عہدے پر فائز ہے۔ وہ اپنے سوتیلے بھائی وارث غازی اور اپنی بیوی کے قتل کے الزام میں چار سال سے جیل میں قید ہے۔ سعدی یوسف اس کا بھانجا ہے جو اس سے جیل میں ہر ہفتے ملنے آتا ہے۔

سعدی یوسف تین بہن بھائی ہیں' ان کے والد کا انتقال ہو چکا ہے۔ حنین اور اسامہ' سعدی سے چھوٹے ہیں۔ ان کی والدہ ایک چھوٹا سا ریسٹورنٹ چلاتی ہیں۔ زمر' سعدی کی پھپھو ہے۔ وہ چار سال قبل فائرنگ کے ایک واقعہ میں زخمی ہو جاتی ہے۔ فائرنگ کا الزام فارس غازی پر ہے۔ فارس غازی کو شک تھا کہ اس کی بیوی اس کے بھائی کے ساتھ انوالو ہے۔ اس نے جب فائرنگ کی تو زمر اس کی بیوی کے ساتھ تھی۔ فائرنگ کے نتیجے میں بیوی مرجاتی ہے اور زمر شدید زخمی ہو جاتی ہے۔ ایک انگریز عورت اپنا گردہ دے کر اس کی جان بچاتی ہے۔ سعدی کو یقین ہے کہ اس کا ماموں بے گناہ ہے۔ اسے پھنسایا گیا ہے۔ اس لیے وہ اسے بچانے کی کوشش کرتا ہے' جس کی بنا پر زمر اپنے بھتیجے سعدی یوسف سے بدظن ہو جاتی ہے۔ بدظن ہونے کی ایک اور بڑی وجہ یہ ہے کہ زمر جب موت و زندگی کی کشمکش میں ہوتی ہے تو سعدی اس کے پاس نہیں ہوتا۔ وہ اپنی پڑھائی اور امتحان میں مصروف ہوتا ہے۔

جواہرات کے دو بیٹے ہیں۔ ہاشم کاردار اور نوشیرواں۔

ہاشم کاردار بہت بڑا وکیل ہے۔ ہاشم اور اس کی بیوی شہرین کے درمیان علیحدگی ہو چکی ہے۔ ہاشم کی ایک بیٹی سونیا ہے۔ جس سے وہ بہت محبت کرتا ہے۔

فارس غازی' ہاشم کی پھپھو کا بیٹا ہے۔ جیل جانے سے پہلے وہ ہاشم کے گھر میں' جس میں اس کا بھی حصہ ہے' رہائش پذیر تھا۔ سعدی کی کوششوں سے فارس رہا ہو جاتا ہے۔

والد کے کہنے پر زمر سعدی کی سالگرہ پر اس کے لیے پھول اور ہاشم کی بیٹی سونیا کی سالگرہ کارڈ لے کر جاتی ہے۔ سعدی' ہاشم کی بیوی سے ہاشم کے لیپ ٹاپ کا پاس ورڈ مانگتا ہے۔ شہرین اپنے دیور نوشیرواں سے' جو اپنی بھابھی میں دلچسپی رکھتا

مکمل ناول

ہے' بہانے سے پاس ورڈ حاصل کر کے سعدی کو سونیا سالگرہ میں دے دیتی ہے۔

پاس ورڈ ملنے کے بعد سعدی ہاشم کے کمرے میں جا کر اس کے لیپ ٹاپ پہ فلیش ڈرائیو لگا کر ڈیٹا کاپی کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔

چیف سیکیورٹی آفیسر خاور' ہاشم کو اس کے کمرے کی فوٹیج دکھاتا ہے' جس میں سعدی کمرے میں جاتے ہوئے نظر آتا ہے' ہاشم خاور کے ساتھ بھاگتا ہوا کمرے میں پہنچتا ہے' لیکن سعدی اس سے پہلے ہی وہاں سے نکلنے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔

ہاشم کو پتا چل جاتا ہے کہ سعدی اس کے کمرے میں لیپ ٹاپ سے ڈیٹا کاپی کرنے آیا تھا اور شہرین نے نوشیرواں کو استعمال کر کے پاس ورڈ سعدی کو دیا تھا۔ دوسری جانب بڑے ابا زمر کو یہ بتا دیتے ہیں کہ زمر کو کسی یورپین خاتون نے نہیں بلکہ سعدی نے گروہ دیا تھا۔ یہ سن کر زمر کو بے حد دکھ ہوتا ہے۔

نوشیرواں ایک بار پھر ڈرگز لینے لگتا ہے' اس بات پر جواہرات فکر مند ہے۔

بعد میں سعدی لیپ ٹاپ پہ فائلز کھولنے کی کوشش کرتا ہے لیکن فائلز ڈیمج ہو جاتی ہیں۔

سعدی' حنین کو بتاتا ہے کہ وہ گیم کے ہائی اسکورز کی فہرست میں پہلے نمبر پر نہیں ہے" حنین حیران ہو کر اپنی گیم والی سائٹ کھول کر دیکھتی ہے تو پہلے نمبر پر "آمس اینڈ آفٹر" لکھا ہوتا ہے۔ وہ علیشا ہے در جینیا سے۔ حنین کی علیشا سے دوستی ہو جاتی ہے۔

اب کہانی ماضی میں آگے بڑھ رہی ہے۔ فارس' زمر سے لاء کی کچھ کلاسز لیتا ہے۔ ندرت اس سے شادی کا پوچھتی ہیں۔ وہ لاپروائی سے زمر کا نام لے لیتا ہے۔ ندرت خوش ہو کر ابا سے بات کرتی ہیں۔ ان کی ساس فارس کو اجڈ اور بد تمیز سمجھتی ہیں اور اس کے مقابلے میں فند سے زمر کی بات طے کر دیتی ہیں۔ وارث غازی' ہاشم کے خلاف منی لانڈرنگ کیس پر کام کر رہا ہے۔ اس کے پاس مکمل ثبوت ہیں۔ اس کا باس فاطمی' ہاشم کو خبردار کر دیتا ہے۔ ہاشم' خاور کی ڈیوٹی لگاتا ہے کہ وہ وارث کے پاس موجود تمام شواہد ضائع کرے۔ وارث کے ہاسٹل کے کمرے میں خاور اپنا کام کر رہا ہے۔ جب وارث ریڈ سگنلز ملنے پر اپنے کمرے میں جاتا ہے۔ پھر کوئی راستہ نہ ہونے کی صورت میں بہت مجبور ہو کر ہاشم' خاور کو وارث کو مار دینے کی اجازت دے دیتا ہے۔ دوسری صورت میں وارث' فارس کو وہ سارے شواہد سیل کر دیتا۔ وارث کے قتل کا الزام

ہاشم' فارس پہ ڈلواتا ہے۔

زرتاشہ کو قتل اور زمر کو زخمی کرنا بھی فارس کو وارث کے قتل کے الزام میں پھنسانے کی ہاشم اور خاور کی منصوبہ بندی ہوتی ہے۔ وہ دونوں کامیاب ٹھہرتے ہیں۔ 'زرتاشہ مر جاتی ہے۔ زمر زخمی حالت میں فارس کے خلاف بیان دیتی ہے۔ فارس جیل چلا جاتا ہے۔ سعدی زمر کو سمجھاتا ہے کہ فارس ایسا نہیں کر سکتا۔ اسے غلط فہمی ہوئی ہے۔ زمر کہتی ہے کہ وہ جھوٹ نہیں بولتی اور اپنے بیان پر قائم رہتی ہے۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ دونوں ایک دوسرے سے ناراض ہو جاتے ہیں۔ زمر کی ناراضی کی ایک وجہ یہ بھی ہوتی ہے کہ وارث کے قتل کے وقت بھی اس کی شادی لیٹ ہو جاتی ہے اور وہ اپنی شادی روک کر فارس کے لیے مقدمہ لڑتی ہے۔ اب وہی شخص اپنے اس قتل کو چھپانے کے لیے اسے مارنا چاہتا ہے۔ وہ بظاہر اتفاقاً" بچ جاتی ہے' مگر اس کے دونوں گردے ضائع ہو جاتے ہیں۔ اور اس حادثے کی صورت اس کی شادی ٹوٹ جاتی ہے۔

حنین کی نیٹ فرینڈ علیشا دراصل اورنگ زیب کی بیٹی ہے جسے وہ اور ہاشم تسلیم نہیں کرتے۔ وہ باقاعدہ منصوبہ بندی کر کے حنین سے دوستی کرتی ہے اور پڑھائی کے لیے کاردار سے پیسے لینے کے لیے۔۔۔ پاکستان آتی ہے۔ مگر ہاشم اس سے بہت برے طریقے سے پیش آتا ہے اور کوئی مدد نہیں کرتا۔ زرتاشہ اور زمر کے قتل کے وقت فارس اور حنین وارث کیس کی ایل بی آئی کے سلسلے میں علیشا کے پاس ہی ہوتے ہیں مگر علیشا ہاشم کی وجہ سے کمل ان کی مدد کرنے سے قاصر ہے۔

وہ فوراً "تیزی سے مڑا" دروازہ کھولا اور باہر نکلا۔

حنین سامنے تھی ' نامکمل بند پٹ کی وجہ سے وہ سب کچھ سن چکی تھی۔

"آخر وہ اتنی خود غرض کیسے ہو سکتی ہیں کہ انہیں کسی کا بھی خیال نہ ہو! نہ ماموں کا ' نہ سارہ خالہ کا ان کو صرف اپنا غم یاد ہے۔" وہ شاکی سا کہتا ہوا آگے بڑھتا گیا۔ حنین سست قدموں سے چلتی اس کے قریب آئی۔

"آپ کو پھپھو سے اس طرح بات نہیں کرنا چاہیے تھی۔"

وہ متعجب رہ گیا۔ "ان کے الزام کی وجہ سے فارس ماموں کو پھانسی ہو جائے گی اور تم کہتی ہو کہ۔۔۔"

"جو بھی تھا' آپ کو پھپھو سے اس طرح بات نہیں کرنی چاہیے تھی ' کم از کم آپ کو نہیں!"

وہ کہہ کر مڑ گئی۔ سعدی نے خفگی سے سر جھٹکا۔ منہ میں کچھ بڑبڑایا۔ وہ سخت غصے میں تھا اور وہیں گھٹنوں پہ بازو رکھے ' سر جھکائے اندر ہی اندر کڑھتا رہا۔

حنین چلتی ہوئی دروازے تک آئی۔ ذرا سی درز سے اندر جھانکا ' زمر اسی طرح لیٹی ہوئی تھی ' اس کی گردن اب بائیں طرف نہیں تھی سیدھی تھی ' وہ اوپر دیکھ رہی تھی اور وہ رو رہی تھی ' بری طرح! کبھی وہ اپنے ساتھ لگی نالیوں کو دیکھتی ' کبھی مشینز کو ' کبھی سفید چادر کو ' کبھی ہاتھ میں لگے کینولا کو اور آنسو ابل ابل کر آنکھوں سے گرتے جا رہے تھے ' کبھی کوئی ہلکی سی سسکی بھی نکل جاتی تو وہ ہونٹوں پہ ہاتھ رکھ کے اسے دبا لیتی ' اس کے لیے یہ بہت شرمندگی کی بات تھی کہ کوئی اسے روتا دیکھ لے ' وہ بہت مضبوط تھی۔

حنین کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ وہ بڑے دل کے ساتھ پلٹ آئی۔ اسے نہیں پتا تھا کہ کون سچ کہہ رہا تھا اور کون جھوٹ۔ لیکن کیا اب اس بات سے فرق پڑتا تھا! اس نے زمر کو پہلی دفعہ روتے دیکھا تھا۔ اس کا دل بہت بھاری ہو گیا تھا۔

کوئی امید بر نہیں آتی
کوئی صورت نظر نہیں آتی

ندرت اور بڑے ابا زمر کے کمرے میں تھے۔ وہ جان بوجھ کے زمر کے پاس اندر نہیں گیا تھا۔ وہ اس سے ناراض تھا مگر زمر نے اسے اندر بلایا بھی نہیں۔ ایک دفعہ کسی سے پچھوایا بھی نہیں۔ اس کو منایا بھی نہیں۔

وہ خفا خفا سا باہر ہی بیٹھا رہا۔ وہ آج پہلے سے بہتر لگ رہی تھی۔ صحت میں نہیں جذباتی کیفیت میں۔ ٹیک لگا کر قدرے اٹھ کے بیٹھی۔ گھنگریالے بال پونی میں سنبھال کر باندھے خاموش اور سنجیدہ۔

سامنے وہیل چیئر پہ موجود نحیف اور بیمار سے بڑے ابا کو اس کا ہر انداز مزید اذیت دے رہا تھا۔ وہ کبھی ایک فکر مند نگاہ زمر پر ڈالتے جو دور کسی غیر مرئی نقطے کو دیکھتی بظاہر ان دونوں کو نظر انداز کر رہی تھی ' جو خاموش سی سامنے کاؤچ پہ بیٹھی تھیں۔ زمر لاکھ عزیز سہی فارس ان کا بھائی تھا۔ سعدی کی طرح زمر سے جھگڑا کر کے اس پہ چیخ چلا کر ناراض نہیں ہو سکتی تھیں۔ ذہن میں بار بار خیال آ رہا تھا آخر وہ بھی فرحانہ کی بیٹی ہی نکلی مگر وہ ظاہر نہیں کر رہی تھیں ' بالکل چپ ' کسی نہ کسی مصالحت کی امید لیے۔

بڑے ابا نے ہاتھ بڑھا کے بیٹی کے ہاتھ کو تھاما ' وہ اس کے بیڈ کے کافی قریب بیٹھے تھے ' ان کی ضد اور اصرار پہ آج انہیں یہاں آنے کی اجازت ملی تھی۔ اس بے بسی پہ زمر نے سر گھما کے ان کی طرف دیکھا۔ وہ بہت کمزور اور بوڑھے لگ رہے تھے ' لاوارث بھی۔

"بیٹا! میں فارس کو جانتا ہوں ' وہ ایسا کچھ نہیں کر سکتا ' ضرور اس کو پھنسایا جا رہا ہے۔"

"مڈل کلاس جسٹس آفیسر کو کون پھنسا سکتا ہے ابا!" وہ بیزار ہوئی۔

"کیوں؟ کیا وہ انسان نہیں ہو سکتے؟ ان کی کمزوریاں نہیں ہوتیں؟ ان انٹیلی جنس آفیسرز کی فائلوں کے انبار ہیں جو بے گناہ ہوتے ہوئے بھی نکالے گئے ' پھنسائے گئے یا پھانسی چڑھ گئے۔ وہ سب سے الگ ہے کیا؟"

"ٹھیک ہے آپ بھی [illegible] سمجھتے ہیں کہ میں جھوٹ

بول رہی ہوں، حالانکہ سب سے زیادہ نقصان میرا ہوا ہے' میں نے اس کے الفاظ سنے تھے' میں نے اس کی منت کی تھی کہ وہ میرے اوپر گولی نہ چلائے' وہ میری زندگی خراب نہ کرے۔" درد سے پھٹتی آواز میں کہتے کہتے اس کی آنکھیں سرخ پڑنے لگی تھیں۔ "میں نے ابا اس کو اتنا تنگ کہا کہ میں اس کا کیس لڑوں گی' ہر عدالت میں' ہر جگہ اس کے ساتھ کھڑی ہوں گی' وہ میرے ساتھ یہ ظلم نہ کرے۔ لیکن اس نے پھر بھی مجھ پہ گولی چلائی' اس نے پھر بھی مجھے مارنا چاہا۔ اگر اس نے میری کوئی خیر قبول نہیں کی تو آپ اس کے لیے مجھ سے کسی خیر کی توقع مت رکھیں۔"

"میں جانتا ہوں تم جھوٹ نہیں بول رہیں' لیکن یہ صرف اور صرف کوئی غلط فہمی ہے۔" زمر نے بے زاری سے اپنا ہاتھ ان کے ہاتھ سے نکال لیا۔ وہ دل مسوس کر بیٹھے رہ گئے۔

"آپ لوگ' پلیز مجھے اکیلا چھوڑ دیں۔ جس کو مجرم سمجھنا چاہیے' اس کے لیے آپ کے دل میں ہمدردی ہے تو ٹھیک ہے' ہمدردی لینے کا مجھے بھی شوق نہیں۔ میں جیسی ہوں' ویسی ہی ٹھیک ہوں۔"

"ایسے کیوں سوچتی ہو؟ تم ٹھیک ہو جاؤ گی۔ ہم انتظام کر رہے ہیں' بہت جلد کوئی کڈنی ڈونر مل جائے گا' تمہیں کبھی ڈائلیسز پر نہیں آنا پڑے گا' تم دوبارہ سے صحت یاب ہو جاؤ گی۔"

وہ سپاٹ چہرے کے ساتھ گردن پھیر کر کھڑکی کی طرف دیکھتی رہی۔

ندرت آہستگی سے اٹھیں' اس کے قریب آئیں اور بیڈ کی پائنتی پہ بیٹھ کر' منت بھری بے بسی سے اس کو دیکھا۔

"زمر! میرے لیے کیا تم اپنا بیان واپس نہیں لے سکتیں؟ فارس جیل چلا جائے گا' اس کو سزا ہو جائے گی' وہ برباد ہو جائے گا۔" اس نے زخمی نگاہوں سے ندرت کا چہرہ دیکھا۔

"اور میرا بھائی! میری خوشیاں' میرے غم؟ ان کا کیا؟ آپ سب کو لگتا ہے کہ میں اپنی ضد پہ اڑی ہوئی ہوں؟" شکایت آمیز نظر اپنے باپ پر ڈالی "لیکن آپ لوگ یہ نہیں سوچتے کہ میرے پاس ضد کرنے کے لیے کچھ بچا ہی نہیں ہے' تباہ ہو چکی ہوں میں! اب فارس برباد ہو یا آباد' مجھے اس سے کوئی ہمدردی نہیں ہے! میں نے اس کی عزت کی ہمیشہ کیونکہ مجھے انسان کے اندر کی اچھائی پہ یقین ہوتا ہے' مگر میں غلط تھی' وہ ویسا ہی ہے جیسا لوگ اس کے بارے میں کہتے تھے۔ آپ اس کے لیے مجھ سے کوئی امید نہ رکھیں۔ کیونکہ میں آپ سب کی بے اعتباری سہہ سکتی ہوں لیکن فارس کو معاف نہیں کر سکتی۔"

وہ گردن موڑ کر پھر سے کھڑکی کو دیکھنے لگی۔ یہ ایک اشارہ تھا کہ اب وہ لوگ چلے جائیں۔

ندرت شکستگی سے اٹھیں' گھوم کر بڑے ابا کی وہیل چیئر کے پیچھے آئیں اور انہیں لے کر باہر نکل گئیں۔ دروازہ حسب معمول آدھا کھلا رہ گیا۔ اسے آوازیں آ رہی تھیں۔ دروازے کے پار راہداری میں وہ لوگ باتیں کر رہے تھے۔ وہ کسی سے مخاطب تھیں۔ خاتون کی آواز۔ فضیلہ آنٹی۔ حماد کی امی' وہ پہچانتی تھی۔ وہ آہستگی سے سیدھی لیٹی' تکلیف چہرے پہ نمودار ہوئی۔ اور آنکھیں بند کرلیں' بالکل ایسے جیسے وہ سو رہی ہو۔

واقعی یہ وہ صبح ہوں تھیں جن میں جاگتے ہوئے اسے آفس جانے کی کوئی ٹینشن نہیں تھی۔ کون سی خواہش کہاں آکر پوری ہوئی تھی!

ندرت فضیلہ آنٹی کو اندر لے آئی تھیں۔ زمر کی آنکھوں میں فی الحال صرف اندھیرا تھا' مگر وہ آوازیں سن سکتی تھیں۔ فضیلہ آنٹی یقیناً اس کے بازو کے قریب بیڈ کے ساتھ کھڑی تھیں۔

اس نے انہیں کہتے سنا۔

"بہت زیادہ افسوس ہوا۔ ہم سب بہت پریشان ہیں۔ کوئی گمان بھی نہیں کر سکتا کہ زمر کے ساتھ اس طرح ہو گا' وہ بھی اتنے اہم موقع سے پہلے! ہمارے تو سارے رشتے دار بھی آچکے تھے' اب کچھ سمجھ میں نہیں آرہا کہ کیا کریں۔ حماد کے بس بھائی۔ پتا نہیں'

کتنوں کی فلائٹس ہیں۔ آگے کروانی پڑیں گی یا شاید کینسل۔"

وہ کہہ ہمدردی سے ہی رہی تھیں، مگر انداز میں کوئی عجلت تھی۔ زمر بند آنکھوں سے سنے گئی۔

"آپ تو جانتی ہیں، دو شادیاں اکٹھی ہو رہی تھیں۔ حماد کے تایا کے بیٹے کے فنکشنز بھی ساتھ ہی تھے۔ ولیمہ تو ہم دوہی اکٹھا رہے تھے۔ اب ظاہر ہے یہ شادی تو ابھی ہو ہی نہیں سکتی۔ سجاد کے فنکشنز تو کل سے شروع ہو جائیں گے۔ اب آپ تو جانتی ہیں، ہماری بھی مجبوری ہے۔"

"سب کی مجبوریاں ہیں، میں جانتی ہوں۔" ندرت بولیں تو آواز میں پسپائی تھی۔

زمر آنکھیں بند کیے لیٹی رہی۔ ندرت اب شاید ان کے لیے کوئی جوس نکالنے لگی تھیں، مگر وہ منع کرنے لگیں۔

"حماد باہر انتظار کر رہا ہے، ایسا کرتے ہیں ہم وہیں بیٹھتے ہیں، اس کمرے میں تو مجھے گھٹن ہو رہی ہے۔ پتا نہیں ہسپتالوں میں ایسی گھٹن کیوں ہوتی ہے۔"

اور ان کی آواز دور ہوتی گئی۔ شاید وہ کمرے سے جا رہی تھیں۔ اور پھر دروازہ بند ہو گیا، سناٹا چھا گیا، قبر کی پہلی رات کا سا سناٹا۔ زمر نے آنکھیں کھولیں۔ وہ اب کمرے میں اکیلی تھی۔ اب کوئی بھی چیز افسوس نہیں دلاتی تھی۔ سارے احساسات مر گئے تھے۔ اسے پتا تھا اب کیا ہو گا۔ دوسری دفعہ اس کی منگنی ٹوٹ جائے گی۔ پھر بھی ایک امید تھی کہ شاید ایسا نہ ہو۔

کوئی بھی آدمی پورا نہیں ہے
کہیں آنکھیں کہیں چہرہ نہیں ہے

دروازہ اک دم کھلا، وہ چونکی۔ اتنی جلدی میں سب کچھ ہوا کہ وہ سوچ بھی نہ بن سکی۔ مگر پھر اس کی ضرورت بھی نہیں تھی کیونکہ آنے والی فضیلہ یا ندرت نہیں تھیں۔
خود کو زمر کے پاس اکیلا چھوڑ دینے کا کہتی،

جواہرات کاردار نے اندر قدم رکھا۔
بند گلے کے نیوی بلیو گاؤن، لمبی سفید ہیل، بالوں کا نفیس سا جوڑا، جوان، خوب صورت اور بے حد اسمارٹ سی جواہرات مسکراتی ہوئی اندر داخل ہوئی۔ زمر اسی بے رخی اور ناپسندیدگی سے اسے دیکھتی رہی۔
"ہیلو زمر! کیسی ہو؟"

ایک فلپائنی ملازمہ اور ایک سوٹ میں ملبوس ملازم پھولوں کے بڑے بڑے گلدستے لیے اس کے پیچھے آئے اور کمرے میں موجود میزوں کو ان سے بھر دیا۔ جواہرات نے ہلکا سا آنکھ سے اشارہ کیا اور وہ مودب سے باہر نکل گئے۔

ساتھ ہی شہرین کاردار اندر آئی۔ اس نے لمبی قمیص پہن رکھی تھی اور کندھے پہ لمبی چین کا پرس تھا۔ سنہرے باب کٹ بالوں میں ہاتھ پھیر کر انہیں پیچھے کرتی مصنوعی سی مسکراہٹ لیے وہ جواہرات کے ساتھ چلتی آگے آئی۔ زمر کے قریب رکی اور جیسے تعارف کروایا۔

"میں مسز ہاشم کاردار ہوں۔ ہم پارٹی میں ملے تھے۔"

زمر نے سر کے خم سے ان دونوں کے رسمی کلمات کا جواب دیا، جیسے وہ شدید کوفت میں مبتلا ہو۔ جواہرات نے زمر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے جیسے شہرین کو بتایا۔

"زمر یوسف، پبلک پراسیکیوٹر ہے۔ ہاشم نے یقیناً تم سے ذکر کیا ہو گا۔"

شہرین نے منہ میں کچھ چباتے ہوئے لاپروائی سے شانے اچکائے۔

"جی آئی نو۔ ڈی اے ہیں یہاں کی۔" وہ زمر کی طرف مڑی "ڈی اے، کیسی ہو تم؟" اس کو جیسے اپنے انداز تخاطب پہ خود ہی لطف آیا تھا۔

زمر نے رکھائی سے "بہت اچھی" کہہ کر نظروں کا رخ کھڑکی کی طرف پھیر لیا۔ وہاں وہ سرمئی بادلوں سے سیاہ پڑتی جا رہی تھی۔

"آپ بیٹھیے مسز کاردار! میں باہر جاتی ہوں، یہاں

بور ہو جاؤں گی۔"

شیریں اپنے بالوں کو پھر سے پیچھے جھٹکتی' بے نیازی سے کہتی مڑ کر باہر نکل گئی۔ جواہرات بس مسکرا کر اسے دیکھتی رہی۔ پھر ایک کرسی پہ ٹانگ پہ ٹانگ رکھ کے بیٹھی' کہنیاں کرسی کے ہاتھ پہ اور انگوٹھیوں والے ہاتھ باہم ملائے۔ اسی شیریں مسکراہٹ سے اسے دیکھا۔

"مجھے بہت افسوس ہے جو تمہارے ساتھ ہوا۔ یقیناً" جس نے بھی کیا وہ۔" اس نے تنک کر جواہرات کو دیکھا۔

"جس نے بھی کیا کیا مطلب؟؟ فارس نے کیا ہے یہ سب! اور اگر آپ اس کی وکالت کرنے آئی ہیں' میرے سامنے تو پلیز اپنا وقت ضائع مت کیجئے گا۔"

"نہیں میں تو یہ سوچ رہی ہوں کہ اس نے یہ کیوں کیا؟ کیا کوئی وجہ بتائی تھی اس نے؟" جواہرات نے بہت سادگی سے پوچھا تھا۔

زمر نے آنکھیں سکیڑ کر مشکوک نظروں سے اسے دیکھا۔

"آپ یہ کہنا چاہ رہی ہیں کہ آپ کو میری بات کا یقین ہے؟" جواہرات نے مسکرا کر شانے ذرا سے جھٹکے۔

"میں جانتی ہوں تم سچ بول رہی ہو۔"

"اور آپ یہ کیسے جانتی ہیں؟ ہم دوسری دفعہ مل رہے ہیں!" وہ سرد سا گھور کر بولی۔ اگر یہ اس سے قریب ہونے کی کوئی کوشش تھی تو وہ ہاشم کی ماں کو اس میں کامیاب نہیں ہونے دے گی۔

"کیونکہ میں اس اذیت کو پہچانتی ہوں جو غلط سمجھے جانے والے سچے لوگوں کے چہروں پہ ہوتی ہے۔" زمر کی مشکوک آنکھوں میں الجھن ابھری۔

"اور آپ مجھ سے دوسری ملاقات میں میرا چہرہ کیسے پڑھ سکتی ہیں؟"

جواہرات اٹھی اور قدم قدم چلتی کھڑکی تک گئی۔ باہر بارش کی ننھی ننھی بوندیں زمین پہ گر رہی تھیں۔ وہ چند لمحے کھڑکی سے باہر دیکھتی رہی پھر مڑی تو چہرے سے مسکراہٹ غائب تھی۔

اس کی جگہ افسوس تھا۔

"مجھے واقعی دکھ ہے جو کچھ تمہارے ساتھ ہوا' کاش یہ سب نہ ہوا ہوتا۔ کیونکہ اس چیز نے تمہاری زندگی برباد کر دی اور زیادہ دکھ کی بات یہ ہے کہ کوئی تمہاری بات پہ یقین نہیں کر رہا۔ میں سب جانتی ہوں۔ ہاشم مجھے بتا چکا ہے اور ہاشم کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتی۔ وہ کہہ رہا ہے اسے تم پہ یقین ہے۔ تو یقیناً" ایسا ہو گا۔ لیکن جہاں تک میری بات ہے میں تمہیں نہیں جانتی۔ ہو سکتا ہے تم جھوٹ بول رہی ہو' ہو سکتا ہے تم سچ بول رہی ہو۔ لیکن میں یہ ضرور جانتی ہوں کہ جب کسی کو درست ہوتے ہوئے ناقابل اعتبار سمجھا جائے تو اس کی حالت کیا ہوتی ہے۔"

زمر کے تنے تاثرات قدرے ڈھیلے پڑے تھے مگر لہجے کی رکھائی برقرار تھی۔

"کم از کم میری فیلنگز آپ نہیں سمجھ سکتیں۔ آپ اپنی زندگی میں بہت عیش و آرام سے رہنے والی ایک ملکہ ہیں۔ آپ کی ایک سلطنت ہے۔ آپ ہم جیسے لوگوں اور ہمارے مسائل کو نہیں سمجھ سکتیں۔"

جواہرات اٹھی اور قدم قدم چلتے کھڑکی تک گئی۔ اس کی پشت پر موجود کھڑکی کے شیشے پہ پانی کی بوندیں تڑتڑ کرنے لگی تھیں۔

"میں واقعی ایک ملکہ ہوں' اس میں کوئی شک نہیں۔ میں اور میرا شوہر اس شہر کے بہترین کپلز میں چوتھے نمبر پہ شمار کیے جاتے ہیں۔ لیکن کیا تم یہ جانتی ہو کہ میں اس کی دوسری بیوی ہوں؟"

زمر نے بری طرح چونک کے اسے دیکھا۔ لب "اوہ" میں سکڑے۔

"چلو' پہلی بیوی' تو مر گئی' مگر کیا تم یہ جانتی ہو کہ میرے بعد بھی اس کی زندگی میں کوئی عورت آئی تھی۔ اس کے بعد کتنی آئیں میں نے حساب رکھنا چھوڑ دیا' اب یاد ہے تو صرف نفرت جو میں اس سے کرتی ہوں' مگر ڈرتی بھی ہوں۔ ملکہ بننا بھی آسان نہیں ہوتا۔"

"زمر کے چہرے کی ناگواری اب خاموشی میں بدل

گئی تھی، وہ دھیان سے سن رہی تھی۔

"جب نوشیرواں چار سال کا تھا' مجھے ان کی حرکات و سکنات مشکوک لگتی تھیں۔ میں نے ایک پرائیویٹ انویسٹی گیٹر ہائر کیا تھا

ہم سب اندر سے چکنا چور ہوتے ہیں' میں بہت سی باتیں اپنے شوہر سے کہہ نہیں سکی۔ ایک دن آئے گا جب میں کہوں گی' جب میرے اندر کی شیرنی غرائے گی۔ لیکن تب تک..."

اس نے بارش سے بھیگتے شیشے سے ہاتھ اٹھایا' مڑی اور کرب سے مسکرائی۔

"تب تک مجھے مصنوعی مسکراہٹوں کے ساتھ کھیلتے رہنا ہو گا' کیونکہ انتقام کی پہلی سیڑھی اپنے اعصاب کو پر سکون رکھنا ہے۔" وہ واپس چلتی ہوئی آئی' کرسی پر بیٹھی اسی تمکنت اور رعونت سے اور موتی کے ایئر ٹاپس پہ انگلی پھیرتے ہوئے مسکرا کر بولی۔

"اور یہ دوسری ملاقات میں تمہیں یہ سب میں کیوں بتا رہی تھی؟ تاکہ یہ سمجھا سکوں کہ اگر آج تم اپنے انتقام کے لیے نہ کھڑی ہوئیں تو کبھی نہیں ہو سکو گی' اور اگر تم اس سفر میں اکیلی رہ جاؤ تو بھی میں تمہارا ساتھ دوں گی۔"

زمر یک ٹک اسے دیکھے جا رہی تھی' چہرے کی ساری تلخی' بے رخی' بےزاری غائب تھی۔ جواہرات نے کلائی پہ بندھی گھڑی دیکھی' اٹھ کھڑی ہوئی۔

"مجھے جانا ہے ایک میٹنگ میں' پھر ملاقات ہو گی۔"

"آپ بیٹھیے نا!" وہ بے اختیار بولی' تو اپنی آواز میں نرمی محسوس ہوئی۔ جواہرات نے مسکرا کر نفی میں سر ہلایا۔

"کسی کی ذات کا اعتماد حاصل کرنے کے لیے اپنی ذات کا ایک ٹکڑا توڑ کر اسے دکھانا ہوتا ہے' میں نے یہ کر لیا' مگر تکلیف مجھے بھی ہوئی ہے اب چلوں گی۔" نرمی سے کہتی وہ مڑی' آنکھ کا ایک کونا بھیگ گیا تھا۔ اور زمر، زینب اس کی گئی تذلیل' دکھ بے وفائی سب یاد آ گیا تھا اور، ریک ہیل سے چلتی ہوئی دروازے کی طرف بڑھ گئی۔

باہر ویٹنگ روم میں حسین اسی طرح بیٹھی تھی' پتا نہیں کب سے برش لیے ہوئے' بددل' مرجھائی ہوئی سی۔ سعدی اس کے مقابل اداس سا بیٹھا تھا۔ بار بار نگاہیں پھوپھو کے کمرے کی طرف جاتی راہداری کی طرف اٹھتیں' پھر سر جھٹک کر بے بسا کر خود کو روک لیتا۔ دفعتا" کسی آہٹ پر اس نے سر اٹھایا' چوکھٹ میں شہرین کھڑی تھی۔ سعدی بے اختیار اٹھ کھڑا ہوا' اس نے اشارہ کیا۔ باہر بلانے کا اشارہ۔ حسین اپنی سوچ میں گم تھی۔ وہ خاموشی سے اٹھ کر شہرین کے پیچھے آیا۔

وہ راہداری میں کھڑی تھی سینے پہ بازو لپیٹے' فرصت سے اس کو آتے دیکھتی رہی۔

"جی کہیے مسز کاردار؟" وہ سرد مہری سے اس کو دیکھے بنا دائیں طرف ٹرالی گھسیٹتی نرس کو دیکھتے ہوئے بولا۔

"آئی ایم سوری میں تم سے ایکسکیوز کرنا چاہتی تھی۔ میں نے تمہارے ساتھ زیادتی کر دی تھی۔ شیرو اور تمہارے بیچ مجھے نہیں آنا چاہیے تھا۔" سعدی نے چونک کر اسے دیکھا۔ پھر آنکھیں چندھیا کر اس کی ذہنی حالت جانچنا چاہی۔

"اٹس او کے۔" وہ بغور اس کے تاثرات پڑھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"گڈ' یعنی کہ اب ہم اچھے دوست بن سکتے ہیں؟ ہوں؟" وہ ہلکا سا مسکرائی۔ اس کی گال کی ہڈی ابھری ہوئی تھی جب مسکراتی تو آنکھیں چھوٹی ہو جاتیں۔

"کیا آپ کو مجھ سے کوئی کام ہے؟"

"ابھی نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے مستقبل میں ہو۔" اس نے ابرو اچکائے۔

"آپ بے فکر رہیے' نہ میں نے کچھ سنا تھا نہ میں کسی کو کچھ بتاؤں گا۔" اس نے پچھلے سال کی بھولی بسری بات کی طرف اشارہ کیا۔

"میں بے فکر ہوں' کیونکہ ہاشم کو پتا چل گیا تھا۔" سعدی نے چونک کر اسے دیکھا۔

"کیا؟"

"یہی کہ میرا اپنے کزن کے ساتھ افیئر چل رہا ہے۔ اور دیکھو' اس نے میرے ساتھ کیا کیا ہے۔" اس نے کف تان کر شرٹ کی کھلی سی آستین اوپر اٹھائی' کندھے کے قریب بازو کی جلد سامنے آئی۔ اس جا بجا سیاہ سے نیل تھے' کٹ بھی لگے تھے۔ سعدی بالکل ساکت سا ہو گیا۔

"یہ؟"

"یہ میرے شوہر نے مجھے پیٹا تھا' اب اس بات کو کافی دن گزر چکے ہیں۔ یہ پارٹی کے بعد کی بات ہے۔ اس لیے مجھے بالکل بھی کوئی ڈر نہیں رہا کہ تم کسی کو کچھ بتاؤ گے' چونکہ مجھے کوئی ڈر نہیں ہے تو میرے خیال سے ہم اچھے دوست بن سکتے ہیں۔"

آستین نیچے کی' دوبارہ سے مسکرائی۔ اس کے کندھے کو ہلکا سا تھپکا جیسے ہاشم تھپکتا تھا اور مڑ کر کوریڈور میں آگے چلتی گئی۔ سعدی جز بز سا اس کو جاتے دیکھتا رہا' عجیب سی تھی وہ۔ اوں ہوں سر جھٹکا۔ اور آگے چلتا آیا۔

☼ ☼ ☼

کچھ حقیقت تو ہوا کرتی تھی افسانوں میں
وہ بھی باقی نہیں اس دور کے انسانوں میں

زمر کے کمرے کے قریب ندرت' فضیلہ اور حماد کے ساتھ کھڑی تھیں۔ بڑے ابا بھی ان کے ہمراہ تھے۔ وہ خاموشی سے ان کے پاس جا کھڑا ہوا۔ حماد اکھڑا اکھڑا سا الگ رہا تھا۔ فضیلہ ہی ساری باتیں کر رہی تھیں اور وہیل چیئر پہ بیٹھے بڑے ابا بس آس بھری نگاہوں سے ان کو دیکھ رہے تھے۔ "پتا نہیں اب آگے کیا ہو گا؟ پتا نہیں اب آگے کیا ہو گا؟" فضیلہ کی ہر بات میں پریشانی اور کبھی رکھائی سے ایک ہی فقرہ بار بار آتا۔ ان کے تاثرات ہر شخص سمجھ رہا تھا' ان کا بھی قصور نہیں تھا۔

"ہم کوشش کر رہے ہیں' بہت جلد اس کو کڈنی ڈونر مل جائے گا اور پھر وہ بالکل ٹھیک ہو جائے گی۔"

بڑے ابا نے امید دلانے کی کوشش کی۔ حماد نے سنجیدگی سے انہیں دیکھا۔

"ڈونیشن کڈنی کتنا عرصہ چلتا ہے؟" الفاظ تھے کہ چابک۔ جو بھی تھا بڑے ابا کے منہ پہ لگا تھا۔ وہ بس اس کو دیکھ کے رہ گئے۔ پھر آہستہ سے بولے۔

"عیسائی جب شادی کرتے ہیں تو ایک حلف اٹھاتے ہیں کہ غریبی میں اور امیری میں' بیماری میں اور صحت میں ہم ساتھ رہیں گے۔ حتیٰ کہ ہمیں موت جدا کر دے۔ صد شکر کہ ہمارے یہاں یہ حلف نہیں اٹھایا جاتا ورنہ بہت سے لوگ مشکل میں پڑ جاتے۔"

حماد بے زاری سے رخ موڑ کر کھڑا ہو گیا۔ فضیلہ جلدی سے بات بدلنے لگیں' تب ہی جواہرات کاردار باہر آتی دکھائی دی۔ سعدی کے تنے اعصاب اس کو دیکھ کر ڈھیلے پڑے۔ وہ مسکرائی تو وہ بھی مسکرایا۔ اس فیملی کو دیکھ کے کتنی تسلی ملتی تھی۔ جیسے ہر مشکل میں ان کے ساتھ ہوں۔ وہ قریب آئی۔

"مجھے امید ہے کہ آپ کی بیٹی بہت جلد صحت یاب ہو جائے گی اور اگر نہ ہو تب بھی وہ اتنی قیمتی ہے کہ اس کے ساتھ یہ اس کی زندگی کے ساتھی کو فخر ہو گا۔"

ساتھ ہی حماد کو دیکھا' اس کا حماد سے تعارف نہیں تھا' تب بھی وہ سمجھ گئی تھی۔ یہی ہے بے چارہ منگیتر۔ سعدی ان کا تعارف کروانے لگا۔

"اورنگ زیب کاردار کی بیوی' ہاشم کاردار کی ماں" فضیلہ اور حماد کے تاثرات فوراً" بدلے۔ بہت خوش دلی سے ان سے ملے۔ اس کے ملازم دور کھڑے تھے۔ اور پھر اس کا رعب' تمکنت سے اٹھی گردن' گہری آنکھیں اور لبوں کی مسکراہٹ۔ وہ تو تھی ہی ملکہ۔ سوائے بڑے ابا کے' اس کے آگے بچھنے والوں کی کمی نہ تھی۔

"تم پریشان مت ہو" اس نے گہری نظروں سے حماد کو دیکھتے ہوئے کہا۔ "وہ ٹھیک ہو جائے گی اور تم لوگوں کی شادی بہت دھوم دھام سے ہو گی۔ کیا تم مجھے آفس تک پہنچا دو گے؟ زمر ہماری فیملی ہے اور اس کے فیانسی سے دوبارہ ملاقات کا وقت جانے ملے یا

نہیں۔" ساتھ ہی امید افزا نگاہوں سے سعدی کو دیکھا۔ وہ مسکرا دیا یقیناً "اب وہ اس کو سمجھائے گی اور جواہرات تو جواہرات تھی۔ وہ کہے اور کوئی انکار کرے' ایسا تو نہیں ہو سکتا تھا۔ حماد بے ساختہ "جی بالکل شیور" کہنے لگا۔ جواہرات سر کو خم دے کر آگے چلتی گئی۔ حماد فوراً" پیچھے لپکا۔ فضیلہ بیگم نے تذبذب سے ان دونوں کو جاتے دیکھا۔ مگر کچھ کہہ نہیں سکتی تھیں۔

باہر بارش اب تھم چکی تھی۔ گاڑی کے قریب آکر جواہرات نے مسکرا کر ڈرائیور سے کہا۔ "اپنی شکل گم کرو۔" اور ہتھیلی پھیلائی۔ اس بے چارے نے جلدی سے چابی اس کے ہاتھ پہ رکھی اور واقعی وہاں سے گم ہو گیا۔ وہ حماد کی طرف مڑی۔

"آفس کا ایڈریس میں تمہیں بتا دوں گی۔ ایسی کار ڈرائیو کرنے کے موقعے کو امید ہے' تم ضائع نہیں کرو گے۔" اور گھوم کر فرنٹ سیٹ کی طرف بڑھ گئی' حماد نے چابی دیکھی' اور پھر اس چمکتی ہوئی گاڑی کو' آنکھیں جیسے خیرہ ہو گئیں۔

جواہرات فرنٹ سیٹ سے پچھلے نشست کے ساتھ کھڑی ہو کر اس کو دیکھنے لگی۔ وہ جو پہلے اپنا دروازہ کھولنے لگا تھا' رکا۔ پھر تیزی سے گھوم کے اس طرف آیا' اس کے لیے دروازہ کھولا۔ وہ تمکنت سے اندر بیٹھی۔ حماد نے کسی ڈرائیور کی طرح دروازہ بند کیا اور واپس ڈرائیونگ سیٹ تک آیا۔

"یہاں سے سیدھا لے لو۔" اس نے محض اتنا کہا اور وہ خود کو بہت پُراعتماد ظاہر کرتا ڈرائیو کرنے لگا۔

گاڑی سڑک پہ رواں دواں تھی۔ جواہرات سر جھکائے اپنے موبائل پہ فون بک کھول رہی تھی۔ حماد مرعوب سا' خاموش سا ڈرائیو کرتا جا رہا تھا۔

"بے فکر رہو' وہ ٹھیک ہو جائے گی۔" اس نے کانٹیکٹس کی فہرست آہستہ آہستہ نیچے کرتے ہوئے کہا۔ حماد نے بیک ویو مرر میں سے دیکھا۔ اور پھر سامنے ونڈ اسکرین کو۔

"جی۔" بس وہ اتنا کہہ سکا۔

"امید ہے' اسے ڈونر کڈنی مل جائے گا۔ سال ڈیڑھ تو چل ہی جائے گا۔ بے کار ہو گیا تو کوئی بات نہیں ڈائلیسز پہ آجائے گی۔ ہفتے میں دو دفعہ ہی تو کروانا پڑے گا۔ آخر ایک اچھی لڑکی کے لیے تو تم اتنی قربانی دے ہی سکتے ہو۔" وہ اے والے نمبرز سے گزرتی بی پہ آگئی تھی۔

"رہا بچوں کا سوال' تو وہ زندگی کا مقصد تو نہیں ہوتے۔ نہ بھی ہو سکیں تو کوئی بات نہیں' اڈاپٹ کر لینا۔" ہلکے سے شانے اچکاتے ہوئے اس کا انگوٹھا اسکرین کو مسلسل نیچے کیے جا رہا تھا۔ ڈی اور پھر ای' ابھی تک مطلوبہ شخص سامنے نہیں آیا تھا۔ حماد کے چہرے پہ چھایا تفکر بڑھتا گیا۔ البتہ وہ خاموشی سے محض "جی" کر کے رہ گیا۔ جواہرات اسے زہر کے لیے قائل کر رہی تھی یا اس سے متنفر' وہ سمجھ نہیں پا رہا تھا۔

"دیکھو' زندگی میں ہر چیز پرفیکٹ تو نہیں ملتی۔ میرا خیال ہے وہ ایک اچھی لڑکی ہے اور تمہارے ساتھ آسٹریلیا جا کر بھی اپنی پڑھائی اور جاب جاری رکھ سکے گی۔ نہ بھی رکھ سکی تو تم ایک کمانے والے بہت ہو۔ نہیں؟"

حماد کی آنکھوں میں مزید تناؤ آگیا۔ اس نے سر کو اثبات میں خم دیا' اب کے "جی" تک نہیں بولا۔ جواہرات کا اسکرین پہ چلتا انگوٹھا ایک دم رکا۔ لبوں پہ ہلکی سی مسکراہٹ آئی۔ یہ جے کی فہرست تھی' جیلانی' رقیب جیلانی۔ اس نے اس نمبر پہ ایک ٹیکسٹ بھیجا۔

"میرے آفس کے باہر میرا انتظار کریں۔" اور فون رکھ کے' سر اٹھا کر چمکتی نگاہوں سے حماد کو دیکھا۔ یہاں سے اس کے سر کی پشت' کان اور آدھے چہرے کے تنے تاثرات وہ دیکھ سکتی تھی۔

"آگے کا کیا ارادہ ہے؟"

"کچھ کہہ نہیں سکتا' قسمت جس طرف لے جائے۔" وہ احتیاط سے تول تول کے اتنا ہی کہہ سکا۔

آفس کے سامنے وہ اترے تو جواہرات تیز تیز چلتی آگے بڑھ گئی' حماد تابعداری سے اس کے پیچھے تھا۔ مطلوبہ فلور پہ پہنچ کر بھی وہ اس کے آگے ہی چلتی جا

رہی تھی۔ ارد گرد مودب ہو کر رکتے اور سلام کرتے لوگوں کو مسکرا کر سر کے خم سے جواب دیتی وہ آگے بڑھتی گئی۔ یہاں تک کہ ایک آفس کے سامنے آ رکی۔ وہاں ایک سوٹ میں ملبوس ادھیڑ عمر صاحب بار بار کلائی کی گھڑی دیکھتے متفکر سے نظر آ رہے تھے۔ جواہرات کو آتے دیکھ کر چہرے پہ چمک آئی۔ آگے بڑھے۔

"میم! میں آپ کا انتظار کر رہا تھا۔" جواہرات نے مسکراتے ہوئے ان سے حماد کا تعارف کروایا۔

"یہ ہمارے عزیز ہیں حماد۔ اور حماد! یہ ہاشم کی ایک کمپنی کی طرف سے آسٹریلیا میں ہوتے ہیں' آدھا سال یہاں اور آدھا وہاں بچوں کے پاس' ادھر کی نیشنلٹی بھی ہے مگر رہتے یہیں ہیں۔" پھر اسی شیریں مسکراہٹ کے ساتھ جیلانی صاحب کو دیکھ کر بولی۔

"حماد ایک انجینئر ہے اور آسٹریلیا میں جاب کرتا ہے۔ آپ کو اس سے مل کر خوشی ہو گی۔" ساتھ ہی کلائی پہ بندھی گھڑی دیکھی۔

"ہاشم میرا انتظار کر رہا ہو گا' میں چلتی ہوں۔" وہ آگے بڑھی تو خوش دلی سے حماد سے مصافحہ کرتے ہوئے جیلانی صاحب معذرت کر کے دو قدم جواہرات کے پیچھے آئے۔ حماد وہیں ملے جلے تاثرات میں کھڑا رہ گیا۔ خوش ہونا چاہیے یا پریشان؟ وہ سمجھ نہیں پا رہا تھا۔

"میں اس لڑکے کا کیا کروں؟ مجھے تو وہاں کسی کی ضرورت نہیں ہے۔" جیلانی صاحب نے آگے بڑھتی جواہرات کے قریب آ کر ہلکی سی سرگوشی کی۔ وہ مسکرا کر ان کی طرف پلٹی' چمک دار آنکھوں سے انہیں دیکھا۔

"کیا آپ کو اپنی بیٹی کے لیے ایک پڑھے لکھے' خاندانی اور خوش شکل گدھے کی ضرورت نہیں تھی؟" جیلانی صاحب کی آنکھیں حیرت سے پھیلیں' سر خود بخود اثبات میں ہل گیا۔

"گڈ' تو پھر میں نے اسے ڈھونڈ لیا۔ یو آر ویلکم۔" ان کے تھینکس کا انتظار کیے بغیر وہ مڑ کر آگے بڑھ گئی۔ جیلانی صاحب اب کے زیادہ گرم جوشی سے مڑے' اور حماد کے کندھے پہ ہاتھ رکھے اسے اپنے ساتھ آگے لے گئے۔

وہ ہاشم کے آفس میں آئی تو وہ ریوالونگ چیئر پہ بیٹھا' کہنیاں میز پہ رکھے انگلیوں کے پوروں سے آنکھیں مسل رہا تھا۔ کوٹ پیچھے ٹنگا تھا اور شرٹ کے کف مڑے ہوئے تھے۔

"تمہارے اور شہرین کے درمیان کوئی لڑائی ہوئی ہے؟" آنکھوں سے ہاتھ ہٹا کر ہاشم نے چونک کر اسے دیکھا۔ چہرے پہ تعجب ابھرا۔

"آپ سے کس نے کہا؟"

"شہرین کے موڈ نے۔" وہ کرسی پہ نگاہیں بے نیازی سے میز پہ رکھتی اس کے سامنے بیٹھی' ٹانگ پہ ٹانگ جمائی اور گلے میں پڑی چین انگلی پہ لپیٹتی مسکرا کے گہری نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔ ہاشم نظریں چرا گیا۔

"اگر ہوئی بھی ہے تو کیا؟ میں ہمیشہ کی طرح اس کو معاف کر دوں گا اور اگر معاف نہ کر سکا تو چھوڑ دوں گا۔"

"یعنی تمہیں معلوم ہو گیا کہ اس کا اپنے کزن سے افیئر تھا۔" اس نے ایک دم بری طرح چونک کر ماں کو دیکھا۔

"کیا آپ جانتی تھیں؟"

"بالکل۔"

"تو پھر مجھے کیوں نہیں بتایا؟"

"بتانے سے تم ناخوش ہو جاتے' اور میں تمہیں خوش دیکھنا چاہتی تھی۔ بہرحال۔۔۔" جواہرات نے بات بدلنے کے سے انداز میں سر جھٹکا۔

"فارس کے کیس کا کیا بنا؟" ہاشم بے زاری سے کرسی پہ پیچھے کو ہوا۔ وہ بھی شہرین نامے کو ڈسکس نہیں کرنا چاہتا تھا۔ قلم اٹھا کر انگلیوں میں گھماتے ہوئے بولا۔

"اگر زمر اپنے بیان پہ قائم رہے تو کیس بہت مضبوط ہے۔"

"یہ رہے گی۔" پھر آنکھوں سے گلاس ڈور کے پار اشارہ کیا۔ ہاشم نے اس طرف دیکھا۔ جیلانی صاحب' حماد کے کندھے پہ ہاتھ رکھ کر اسے اپنے ہمراہ لیے آہستہ آہستہ مختلف کیبنز کی طرف اشارہ کرتے بتاتے جارہے تھے۔ وہ کافی مطمئن لگ رہا تھا۔

"یہ کون ہے؟"

"زمر کا منگیتر۔" ہاشم نے ایک دم اکتا کر ماں کو دیکھا۔

"ممی! آپ کیا کرتی پھر رہی ہیں؟ جب میں کہہ رہا ہوں کہ میں ہر چیز سنبھال رہا ہوں تو پھر یہ سب کیا ہے؟"

"میں نے کچھ نہیں کیا' صرف ایکسیلیٹر پہ پاؤں رکھا ہے' یہ منگنی ویسے ہی ٹوٹ جانی تھی۔ جتنی جلدی ٹوٹے گی' اتنا زیادہ زمر اپنے بیان پہ قائم رہے گی۔ ورنہ تم اس کے خاندان کو جانتے ہو' وہ اسے بیان بدلنے پہ مجبور کرسکتے ہیں۔" ہاشم کے لیے اتنا بہت تھا۔ اس نے موبائل اٹھایا اور کوٹ کا بٹن بند کرتے ہوئے کھڑا ہوا۔

"رات کو کھانے پہ ملتے ہیں۔" کہتا ہوا باہر نکل گیا۔

کوریڈور سے گزرتے ہوئے جیلانی صاحب نے اسے دیکھ کر گرم جوشی سے حماد سے تعارف کروانے کی کوشش کی۔

"یہ ہاشم..." مگر وہ ایک نظر بھی ڈالے بغیر سخت تاثرات کے ساتھ آگے بڑھتا گیا۔ اورنگ زیب کے آفس کا دروازہ زور سے کھولا۔ وہ اندر اپنی کمپنی کے لوگوں اور اس پی کیپ والے کنسلٹنٹ کے ساتھ مصروف نظر آرہے تھے۔ ہاشم نے سخت نگاہوں سے صرف ایک اشارہ کیا اور وہ سب اپنی چیزیں اٹھائے باہر نکل گئے۔ اورنگ زیب قدرے تشویش سے اسے دیکھنے لگے۔ وہ میز کے سامنے آیا اور بولا۔

"میں علیشا کے معاملے کو سنبھال لوں گا' لیکن پھر آپ کو ایک قربانی دینی پڑے گی۔"

"اور وہ کیا؟"

"وہ فارس کی ایلی بائی ہے' اگر آپ چاہتے ہیں کہ وہ لڑکی چپ چاپ یہاں سے چلی جائے تو پھر وہ فارس کے حق میں بیان نہیں دے گی۔ علیشا کے جانے کا مطلب ہے' فارس جیل سے نہیں نکلے گا۔" اورنگ زیب کاردار ماتھے پہ بل لیے اس کو سنتے رہے۔ چند لمحے کی خاموشی چھائی رہی۔ اور پھر بولے۔

"عجیب اتفاق ہے کہ دونوں کیسز میں وہی لڑکی اس کی ایلی بائی ہے۔"

"اس کی بھانجی بھی ساتھ تھی۔"

"وہ تو اس کی رشتے دار ہے اور چھوٹی بچی ہے' ہاشم! اس کی گواہی میٹر نہیں کرتی۔"

"پھر میں علیشا کو یہاں سے بھیج دوں گا' لیکن آپ فارس کو نکلوانے کی بالکل کوشش نہیں کریں گے۔" اورنگ زیب کاردار نے ہلکے سے شانے جھٹکے۔

"مجھے اس کی بے گناہی کا یقین نہیں ہے' یقیناً" اس نے عاشا کو کچھ دے کر اس گواہی پہ مجبور کیا ہو گا۔ تو ٹھیک ہے' وہ چلی جائے۔ یہ زیادہ بہتر ہے۔"

ہاشم ان کو سنجیدہ نظروں سے دیکھتا مڑ گیا۔ تیز تیز چلتا باہر آیا۔ باقی لوگ تو بکھر گئے تھے صرف کنسلٹنٹ لڑکا جو وہاں کھڑا تھا فوراً" اس کی طرف لپکا۔

"اگر ان خفیہ میٹنگز کا تعلق اس لڑکی سے ہے جو اس دن آئی تھی تو میں آپ کو بتا سکتا ہوں ہمیں اسے کس طرح ہینڈل کرنا ہے۔ کیونکہ ایسی لڑکیاں..."

اس سے پہلے کہ وہ اپنی بات مکمل کرپاتا' ہاشم نے ایک دم جھپٹ کر اسے گردن سے پکڑا' دیوار سے لگایا اور اس کی آنکھوں میں دیکھ کر انگلی اٹھائے' چبا چبا کر غصے سے بولا۔

"آئندہ میرے مخاطب کیے بغیر مجھ سے بات کرنے کی کوشش کی تو تمہیں یہیں پہ گاڑ دوں گا۔ سمجھ آئی؟"

ہکا بکا سے لڑکے کی گردن جھٹکے سے چھوڑی' اپنے کوٹ کی نادیدہ شکن درست کی اور اسے گھورتا ہوا واپس مڑ گیا۔ منع کیا تھا اس نے اپنے باپ کو یہ سیاست

اور اس کے جھمیلوں میں پڑنے اور پھر اس جیسے تازہ
گریجویٹ ہوئے خود کو بہت ماہر اینالسٹ سمجھنے والے
لڑکوں کو بھاری تنخواہوں پہ رکھنے سے۔ مگر نہیں اس کی
کون سنتا تھا ادھر۔ یا شاید اسے غصہ بہت آرہا تھا آج
کل۔

وہ کہیں بھی نہیں گیا۔ گاڑی میں بے مقصد ڈرائیو
کرتا رہا اور پھر رکا تو سامنے ایک فلورل مارکیٹ تھی۔
ہاشم اترا' ایک خوب صورت سا بڑا سا گلدستہ خریدا'
اسے فرنٹ سیٹ پہ رکھا اور جب دوبارہ ڈرائیو کرنے لگا
تو آنکھوں میں شدید کرب تھا۔

اب کے وہ اترا تو سامنے قبرستان تھا۔ وہ پھول ہاتھ
میں پکڑے' چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا قبروں کے
درمیان سے گزرنے لگا۔ زرتاشہ غازی' وارث
غازی۔ یہ قبریں قریب قریب تھیں۔ کہیں آس پاس
زمر کی والدہ کی قبر بھی تھی۔ اور سعدی کے والد کی
بھی۔ مگر وہ صرف زرتاشہ کی قبر کے سامنے آکھڑا ہوا۔
جھک کر بہت ادب سے گلدستہ اس کے اوپر رکھا' پھر
سیدھا ہوا' پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے سر
جھکائے۔ جوتے سے مٹی پہ پڑا کوئی کنکر مسلتے ہوئے وہ
کتنی دیر کھڑا لب کاٹتا رہا۔

"آئی ایم سو سوری زرتاشہ' تم بہت پیاری' بہت
معصوم سی تھیں' میں واقعی ایسا نہیں کرنا چاہتا تھا لیکن
میری مجبوری تھی۔ بہت سے لوگوں کی خوشیوں کے
لیے کسی ایک کو قربانی تو دینا پڑتی ہے۔" ہولے سے
بڑبڑاتے ہوئے اس نے اداس نظروں سے قبر کے کتبہ کو
پڑھا۔

"مگر شاید تمہارے لیے یہی بہتر تھا۔ تم فارس کے
ساتھ خوش نہیں تھیں' تمہیں ایک جنت میں رہنے
کی آرزو تھی۔ امید ہے اب وہ پوری ہو گئی ہو گی۔
زیادہ امید ہے کہ فارس بھی جلد تمہیں جوائن کرلے
گا۔ تم دونوں ہم سے زیادہ خوش رہو گے۔ تمہارے
لیے اچھا ہی ہوا۔" سر اثبات میں ہلاتے اسے جیسے
تسلی ہوئی۔

پھر بھی وہ کافی دیر وہاں کھڑا رہا۔ بارش کے بعد کی گیلی
ہوئی مٹی کی سوندھی خوشبو۔ اور قبروں کا سناٹا' آس پاس
خاموشی سے تیرتا رہا۔

☼ ☼ ☼

ہم سے ہمارے حال کی تفصیل پوچھیے
ہر رُدیوں کے نام پر سازش بہت ہوئی

ماحول میں عجیب سناٹا تھا۔ سعدی مضطرب اور بے
بس سا کھڑا سلاخوں کے پار دیکھ رہا تھا۔ جہاں فارس نفی
میں سر ہلاتا دائیں سے بائیں ٹہل رہا تھا۔ اس کے
چہرے پہ شدید غصہ تھا جیسے بس نہ چلتا ہو وہ کسی کا گلا دبا
دے۔ پھر ایک دم وہ سامنے آیا۔ دونوں ہاتھوں سے
سلاخوں کو پکڑ کر اسی طیش سے سعدی کو دیکھا۔

"میں نے نہ کوئی کال کی تھی نہ میں اس دوہرے
قتل میں ملوث ہوں۔ اگر تمہاری پھپھو یہ بات بار بار
کر رہی ہیں تو اس کا مطلب ہے وہ جانتی ہیں یہ سب
کس نے کیا۔ اور وہ کسی کو کور کر رہی ہیں۔"
گھنگھریالے بالوں والے لڑکے کے چہرے پہ چھائی
ندامت میں حزن بھر گیا۔

"پھپھو جھوٹ نہیں بولتیں' انہیں کوئی غلط فہمی
ہوئی ہے۔"

"کس قسم کی غلط فہمی؟ وہ کہہ رہی ہیں کہ میں نے
قتل کیے ہیں اور تم کہہ رہے ہو غلط فہمی؟" اس نے
غصے سے سلاخ کو جھٹکا دیا مگر وہ سلاخیں بہت مضبوط
تھیں۔ یہ جھٹکے ان کو توڑنے کے لیے ناکافی تھے۔
فارس بے بسی سے سلاخوں سے پشت لگائے کھڑا ہو
گیا۔ اس کا چہرہ اب سعدی نہیں دیکھ سکتا تھا۔ وہ دیکھنا
بھی نہیں چاہتا تھا۔ اسے لگ رہا تھا وہ ہی اپنے ماموں کا
مجرم ہے کیونکہ وہ اس کے سامنے مسلسل زمر کی طرف
داری کر رہا تھا۔

"کیا پتا کسی نے پھپھو کو مجبور کیا ہو؟ ڈرایا ہو'
دھمکایا ہو؟ اتنا خوفزدہ کر دیا ہو کہ وہ یہ سب کہنے پر مجبور
ہو گئی ہوں۔" فارس نے اس کی طرف پشت کیے
استہزائیہ سر جھٹکا۔

"میں نہیں مانتا۔ کس قسم کی خاتون ہیں وہ' جانتا

ہوں میں۔ انہیں کوئی مجبور نہیں کر سکتا۔ وہ اپنی مرضی سے کسی کو ور کر رہی ہیں۔"

"آپ فکر مت کریں۔ ہم اس مسئلے کا حل نکال لیں گے۔ پھپھو اپنا بیان واپس لے لیں گی۔ میں اور ہاشم بھائی آپ کو۔۔۔"

فارس پھر کر اس کی طرف مڑا۔ "بھاڑ میں گیا ہاشم۔ مجھے اس کی کسی بات پہ یقین نہیں ہے۔ نہ اس کے کیے گئے وکیل پر' نہ اس کے کسی وعدے پر۔ وہ تو سب سے زیادہ خوش ہوگا مجھے یہاں دیکھ کر۔" سعدی کی آنکھوں میں گہرا دکھ ابھرا۔

"آپ ان کے بارے میں ایسا کیوں سوچتے ہیں؟ سب کزنز کے درمیان رقابتیں' جھگڑے چلتے ہیں' لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ آپ کو یہاں دیکھ کر خوش ہوں۔ وہی آپ کے لیے سب سے زیادہ کوشش کر رہے ہیں۔"

"میں ہاشم کو تم سے زیادہ جانتا ہوں۔ وہ جان بوجھ کر یہاں آتا ہے' تاکہ مجھے یہاں دیکھ کر فاتحانہ مسکرا سکے۔ اگر آج کوئی اٹھ کر یہ کہہ دے کہ میری بیوی اور بھائی کا قتل بھی ہاشم نے کیا تھا تو میں مان لوں گا۔"

غصے میں وہ جانے کیا کیا بولے جا رہا تھا۔ سعدی بے یقینی اور دکھ سے پیچھے ہٹا۔ اسے اتنا گہرا صدمہ ہوا تھا کہ وہ کچھ کہنے کے قابل بھی نہ رہا تھا۔ مگر کہنے کی نوبت آئی بھی نہیں۔ کیونکہ چند منٹ کے لیے ان کو چھوڑ کر باہر گیا ہاشم واپس آ گیا تھا۔

"تم ٹھیک کہتے ہو۔" آواز پہ ان سے کھڑے سعدی نے چونک کر سر موڑا اور غصے سے تیز تیز بولتے فارس نے رک کر ادھر دیکھا۔ پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے سرمئی سوٹ میں ملبوس ہاشم کے چہرے پہ سنجیدگی تھی اور گہرا ملال بھی۔

"بالکل ٹھیک۔ میں ہی گدھا' الو کا پٹھا ہوں جو اپنے ہزار کام چھوڑ کر تمہارے لیے دن رات ایک کر رہا ہوں۔ میری ماں کبھی ڈی اے کے پاس جاتی ہے اور کبھی اس کے منگیتر کے پاس کہ کسی طرح اس کا یہ رشتہ بچ جائے۔ تاکہ وہ اپنی زندگی میں پرسکون ہو کے اپنی محرومیوں کا بدلہ تم سے نہ لے۔ اپنی بیوی' اپنی بچی ان کو کتنے دن سے نظرانداز کر کے میں ادھر تمہارے لیے خوار ہو رہا ہوں اور تمہیں یہ لگتا ہے کہ میں یہاں مزا لینے آتا ہوں۔" جیبوں میں ہاتھ ڈالے قدم قدم چلتا وہ سلاخوں کے قریب آیا۔ فارس ابھی تک اسی سنجیدہ مشکوک نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ سعدی نے پریشانی سے ہاشم کو دیکھا۔ وہ بہت ہرٹ لگ رہا تھا۔

"مجھے تمہاری کسی بات پہ اعتبار نہیں ہے۔ سب یاد ہے مجھے' کس طرح میری بیوی کو میرے خلاف بھڑکاتے تھے۔" فارس جواباً غرایا۔

"جیسا کہ میں نے کہا' میں ہی بے وقوف تھا جو اتنے دن سے تمہارے لیے کوشش کر رہا تھا۔ حالانکہ میرا باپ' جس کا رشتہ مجھ سے زیادہ تم سے ہے۔ تم پہ لعنت بھیج کر اپنی کمپنی میں مصروف ہے' اس لیے یو نو واٹ فارس! تمہاری پرابلم۔ تم دیکھو کر اب مجھے بھی یقین ہونے لگا ہے کہ تم ہی اس دوہرے قتل کے پیچھے ہو۔ میری طرف سے تم سڑو اس جیل میں۔ میں جا رہا ہوں۔" دکھ اور برہمی بھری آنکھوں سے اس کو دیکھتا وہ پلٹا اور تیز تیز باہر نکل گیا۔ سعدی تیزی سے سلاخوں کے قریب آیا۔

"آپ کیوں اپنے غصے میں بے قابو ہو جاتے ہیں؟ وہ ہاشم بھائی ہیں۔ آپ کو پتا ہے وہ کتنے دن سے یہاں پہ خوار ہو رہے ہیں میرے ساتھ۔ آپ کے وکیل کی فیس' تمام اخراجات' پولیس آفیسر سے سفارشیں ہر چیز وہی کر رہے ہیں۔ اور آپ پھر بھی ان ہی کو الزام دے رہے ہیں۔ مائی گاڈ!" وہ بے حد بے یقین تھا اور جیسے ہاشم سے زیادہ ہرٹ ہوا تھا۔ فارس نے غصے سے سر جھٹکا۔

"میں کسی کو الزام نہیں دے رہا۔ میں بس یہ کہہ رہا ہوں کہ مجھے کسی پہ اعتبار نہیں ہے۔"

"آپ نے کہا کہ وہ اس قتل میں ملوث ہیں' آپ نے ان پہ اتنا بڑا الزام لگا دیا۔"

"میرا یہ مطلب نہیں تھا' ظاہر ہے وہ اس میں ملوث نہیں ہے۔ اس کا میرے بھائی یا بیوی سے کیا لینا

دینا۔ لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں ہے کہ وہ میرے ساتھ مخلص ہے۔ وہ ہاشم کاردار ہے۔ اگر وہ چاہتا تو میں دو منٹ میں باہر ہوتا۔ میں باہر اس لیے نہیں ہوں کیونکہ ان۔نے چاہا ہی نہیں۔" سعدی نے افسوس سے اسے دیکھتے ہوئے سر نفی میں ہلایا۔

"میری سمجھ میں نہیں آرہا کہ میرے اردگرد کے اتنے صحیح لوگ اتنی غلط باتوں پہ کیوں اڑ چکے ہیں؟" اور گلہ آمیز نظروں سے اسے دیکھتا ہاشم کے پیچھے باہر کو لپکا۔ وہ پولیس اسٹیشن کے باہر اپنی کار کے ساتھ کھڑا تھا۔ جیبوں میں ہاتھ ڈالے دوراتق کو دیکھتے ہوئے اس کی آنکھوں میں کوئی سوچ تھی۔ اذیت بھی تھی۔ لب بھینچے ہوئے تھے' سعدی کو بے پناہ شرمندگی نے آن گھیرا۔ وہ جلدی سے اس کے قریب آیا۔

"میں آپ سے معذرت کرتا ہوں ماموں کی طرف سے۔ وہ غصے میں کہہ گئے وہ سب۔ لیکن آف کورس ان کا یہ مطلب نہیں تھا۔"

ہاشم نے ان ہی نظروں سے سعدی کا چہرہ دیکھا۔

"میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ کوئی آدمی اپنے بھائی کو قتل کیسے کر سکتا ہے' اسی لیے میں نے سوچا کہ فارس نے یہ نہیں کیا ہوگا۔ بالکل ایسے ہی میں یہ بھی نہیں سوچ سکتا کہ کوئی آدمی اپنے بھائیوں جیسے کزن پہ یہ الزام کیسے لگا سکتا ہے۔ مگر خیر۔ کیا تمہیں بھی لگتا ہے کہ میں فارس کے ساتھ مخلص نہیں ہوں؟" سعدی نے جلدی سے نفی میں سر ہلایا۔

"آف کورس نہیں' انہوں نے خود ابھی کہا کہ ان کا یہ مطلب نہیں تھا۔ وہ غصے میں کہہ گئے۔ پلیز آپ دل پہ مت لیں۔" پھر فکرمندی سے متذبذب سا بولا۔

"ہمیں آج لائر کے پاس بھی جانا تھا' ہاشم بھائی! آپ وہاں جا رہے ہیں نا؟" اس کے دل کو دھڑکا لگ گیا تھا۔ ہاشم کے چہرے پہ زخمی مسکراہٹ ابھری۔

"اگر تمہیں لگتا ہے کہ فارس کی باتوں کی وجہ سے میں اس کے لیے بہترین وکیل نہیں کروں گا یا وکیل کو فیس دینا یا اس کی سفارش کرنا بند کردوں گا تو تم ہاشم کاردار کو نہیں جانتے۔ آف کورس! ہم ابھی وکیل کے پاس جائیں گے۔ ہم بہترین اسٹریٹجی اپنائیں گے اور چند دن میں فارس باہر ہوگا۔ ڈونٹ وری۔" تھکان سے کہتے ہوئے اس کا شانہ تھپکا۔

"آپ خود بھی تو یہ کیس لڑ سکتے ہیں!"

"فارس اور میرا ایک رشتہ بھی ہے جو اتنا اچھا نہیں ہے۔ میں پیسے بچانے کو اس کے لیے شہر کا بہترین وکیل نہ کروں' تو یہ میرے نزدیک غلط ہے۔ میرے ساتھ وہ کبھی بھی آرام دہ ہو کر بات نہیں کرے گا۔ اپنے وکیل سے کرے گا۔ میں لوگوں کے لیے بغیر کسی صلے کی امید کیے فیور کرتا ہوں' دکھ صرف اس بات کا ہے کہ جس کزن کے لیے میں اپنی بیوی کو بھی ٹائم نہیں دے پا رہا' جس کی وجہ سے وہ مجھ سے لڑ بھی پڑی۔ اس کزن نے مجھے یوں کٹہرے میں لا کھڑا کیا۔" سر جھٹکتے ہوئے چابی نکالتا وہ کار کا دروازہ کھول رہا تھا۔ سعدی نے ایک دم چونک کے اسے دیکھا۔ نگاہوں کے سامنے اسپتال کا منظر گھوما۔ بازو سے آستین اوپر کر کے اپنے زخم دکھاتی شہرین' اس کی آنکھوں کا کرب اور اس کا راز کھل جانے کے بعد کی بہادری۔ وہ جھوٹ نہیں بول رہی تھی۔ ان کی واقعی لڑائی ہوئی تھی۔ مگر فارس کی وجہ سے نہیں' شہرین کی بے وفائی کی وجہ سے تو پھر۔ وہ ایک دم ہاشم کو دیکھنے لگا۔ وہ بالکل مختلف بات کر رہا تھا۔

"چلو!" ہاشم نے اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

خیال کی دھند ہٹی تو ہاشم کے چہرے کا ملال نظر آیا۔ وہ ابھی تک فارس کی باتوں پہ افسردہ تھا۔ سعدی ذہن سے تمام سوچوں کو جھٹک کر گھوم کر فرنٹ سیٹ کی طرف آیا۔ وہ بھی پتا نہیں کیا سوچنے لگا تھا۔

☼ ☼ ☼

وہ کلیا ہے جو چھو کر ٹوٹ جائے
محبت کی بس اتنی داستاں ہے

حنین بڑے ابا کی وہیل چیئر گھسیٹتی اسپتال کی راہداری میں آگے لا رہی تھی۔ وہ افسردہ سے گردن ایک جانب جھکائے بیٹھے تھے۔ زمر کو سمجھایا' منت کی'

مان جتایا' مگر وہ ہمیشہ کی طرح ہٹ دھرم' اپنی بات پر اڑ چکی تھی۔ چونکہ اس نے کہہ دیا کہ وہ فارس تھا تو اب قیامت تک وہ فارس ہی تھا جس نے اسے کال کی تھی۔ وہ ایک انچ بھی اپنے موقف سے پیچھے ہٹنے کو تیار نہ تھی۔ چونکہ میڈم رمشہ اس سے ملنے آئی تھیں' اس لیے انہوں نے حنین سے کہا کہ وہ انہیں باہر لے جائے۔ اور اب وہ دونوں باہر جا رہے تھے۔ حنین بھی خاموش تھی اور بڑے ابا بھی۔ پھر اس نے آہستہ سے پوچھا۔

"بڑے ابا! کیا بھی چیزیں ٹھیک ہوں گی؟"

انہوں نے گردن اٹھائے بغیر کہا۔ "شاید۔" وہ وہیل چیئر دھکیلتی آگے نکل گئی۔

راہداری میں بینچ پہ سر ہاتھوں میں گرائے بیٹھے سعدی نے پہیوں کی آواز سنی مگر چہرہ نہیں اٹھایا۔ وہ پہلے سے بھی زیادہ اپ سیٹ تھا۔ ندرت اس کو پرامید نظروں سے دیکھتی تھیں کہ وہی پھپھو کو سمجھائے۔ فارس کا رویہ' ہاشم کی تمام کوششیں' کچھ بھی ان کے حق میں جاتا نظر نہیں آ رہا تھا۔ زمر کے اپنے بیان پہ ڈٹے رہنے کے بعد ندرت اسپتال نہیں آئی تھیں۔ بہانہ سارہ کا تھا۔ بھائی مرا ہے' بھابھی اکیلی ہے' اس کی بچیاں' ان کا خیال۔ وہ جانتا تھا کہ وہ فارس کی وجہ سے پھپھو سے کھنچ سی گئی ہیں۔ مگر اپنی جگہ وہ بھی ٹھیک تھیں۔ شاید اپنی جگہ زمر بھی ٹھیک تھی۔ مگر ٹھیک تو وہ بھی تھا۔ صرف حالات غلط تھے۔

وہ اسی طرح سر جھکائے بیٹھا رہا' یہاں تک کہ میڈم رمشہ باہر نکلیں۔ اس کے قریب آ کے رکیں' کسی احساس کے تحت سعدی نے سر اٹھایا۔ بکھرتے ہوئے چہرے کے ساتھ مسکرا کر کھڑا ہوا۔

"السلام علیکم میم!" ادب سے سر کو خم دے کر سلام کیا۔ انہوں نے مسکرا کر جواب دیا۔

"بہت افسوس ہوا زمر کا۔ اللہ اس کو صحت دے۔"

سعدی نے افسردگی سے ہاں میں گردن ہلائی۔

"پڑھائی کیسی جا رہی ہے؟ کتنے سال رہ گئے ہیں؟"

"بس دو۔"

"اور کتنے دن کی چھٹی پہ آئے ہو؟" وہ ساتھ ہی بینچ پہ بیٹھ گئیں' سعدی دوسرے کنارے پہ ٹک گیا۔ اس بینچ کی تین ہی نشستیں تھیں' اب درمیان کی خالی تھی۔

"بس دو ہفتے رہ گئے ہیں' پھر واپس جانا ہے۔"

"آپ کے ماموں کا بھی ابھی سنا' بہت افسوس ہوا بیٹا!" وہ شائستگی اور لحاظ سے تعزیت کر رہی تھیں۔ سعدی سنتا گیا' چند ایک تفصیلات بتائیں' کس طرح ہوا؟ کیا ہوا؟ اور پھر نہ چاہتے ہوئے بھی گفتگو کا رخ فارس کی طرف مڑ گیا۔

"کیا آپ زمر کو سمجھا نہیں سکتیں کہ وہ ماموں کے خلاف دیا گیا بیان واپس لے لیں۔ وہ آپ کی بہت مانتی ہیں۔"

تھوڑی دیر بعد سعدی نے قدرے امید و لجاجت سے آگے ہو کر کہا۔ میڈم رمشہ خاموش نظروں سے اسے دیکھتی رہیں' پھر ہلکا سا کھنکار کر ابرو اچکائے۔

"میرا نہیں خیال کہ کسی شخص کو اس کی اٹل رائے سے موڑنا آسان ہوتا ہے۔" سعدی بددل سا ہو کر پیچھے ہو گیا۔ میڈم کی طرف کیا گیا رخ بھی سامنے کو موڑ لیا۔ اب وہ گھٹنوں پہ کہنیاں رکھے' سر ہاتھوں پہ گرائے ان سے لاتعلق ہو گیا تھا۔ میڈم رمشہ گہری نظروں سے اس کے ہاتھوں میں آدھے چھپے چہرے کے آثار چڑھاؤ دیکھتی رہیں۔ پھر خود بھی سیدھی ہو کر بیٹھ گئیں۔ گود میں رکھا پرس بینچ کی خالی نشست پہ رکھا اور سامنے دیوار کو دیکھتے ہوئے آہستہ سے بولیں۔

"میرا بڑا بھائی ایروناٹیکل انجینئر ہے۔ ہم تین سال سے ایک دوسرے سے نہیں ملے۔ بات بھی نہیں کی تھی' نہ وہ ہمارے بچوں کی شادی پر آیا' نہ ہم گئے۔ میری فرسٹ کزن میری بچپن کی دوست تھی۔ اونکالوجسٹ ہے' اسی شہر میں رہتی ہے۔ ہم نے سات سال سے ایک دوسرے کی شکل نہیں دیکھی' کوئی فوتگی ہوئی تو چلے گئے۔ زندوں کے لیے نہیں گئے۔ میری سب سے چھوٹی بہن اور میرے دوسرے نمبر کے بھائی بی آپس میں پچھلے ساڑھے پانچ سال سے

ناراضی ہے' دونوں ایک دوسرے کی شکل دیکھنے کے بھی روادار نہیں ہیں۔ میری امی اس ساری صورت حال سے بہت غمزدہ رہتی ہیں۔" وہ سامنے دیوار کو دیکھتے ہوئے ہلکے ہلکے سے کہتی جارہی تھیں۔ سعدی اسی طرح سرہاتھوں میں لیے بے دھیانی سے سنتا گیا' اسے لگا شاید وہ خود سے بول رہی ہیں۔

"مگر مجھے امید ہے کہ میری ماں کے مرنے پہ سارے بہن بھائی آجائیں گے' مل بھی لیں گے۔ کیونکہ ناراض رشتوں کو عموماً" کسی کے مرنے کا انتظار ہوتا ہے۔ مگر کیا تم جانتے ہو کہ یہ ساری لڑائیاں یہ ساری ناراضیاں شروع کیسے ہوئی تھیں؟"

سعدی نے ہاتھ گرائے' چہرہ اٹھایا' ذرا موڑ کر آنکھوں میں کتاہٹ بھری پریشانی لیے میڈم کو دیکھا' ہلکا سا نفی میں سر ہلایا۔ اسے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔

وہ سامنے دیوار کو دیکھتے کہتی گئیں۔

"یہ سب تب شروع ہوا' جب ہر ایک فریق نے اپنی صحیح یا غلط بات کے لیے دلیلیں پیش کرنا شروع کیں۔ جب دوسرے کی بات بحث کے لیے سنی گئی' معاملے کو حل کرنے کے لیے نہیں۔ توپ کوئی نہیں چلاتا' پتھر کوئی نہیں مارتا' باتیں ... صرف باتیں ہی گھروں میں دراڑیں ڈالتی ہیں۔ ان کو توڑتی ہیں' رشتے کاٹتی ہیں' صرف باتیں۔"

سعدی پھر سے سامنے دیکھنے لگا۔

"میں سمجھ رہا ہوں' اگر آپ کا اشارہ پھپھو سے کی گئی میری بدتمیزی یا بحث کی طرف ہے تو پلیز مجھے کلیئر کرنے دیں' یہ کسی کی زندگی اور موت کا معاملہ ہے' میں صرف ...."

"میری ایک دوست تھی بہت اچھی بہت قابل۔ عام سی شکل کی تھی۔ مگر اس کی شخصیت میں کوئی ایسی کشش تھی' ایسا رعب تھا کہ آس پاس سب مرعوب ہوجاتے۔"

وہ اس کی بات سنے بغیر سامنے دیکھتے ہوئے گویا خود کلامی کے انداز میں کہتی جارہی تھیں۔ سعدی کو اب بے زاری ہونے لگی۔

"میں اس کے پاس ایک کیس کے سلسلے میں گئی تھی' وہ وکیل تھی۔ بہت اچھی' بہت قابل۔ اس نے میرا مسئلہ بھی حل کردیا اور تب سے کسی بھی قانونی مشاورت کے لیے میں اسی کے پاس جاتی ہوں۔ بہت بھاری فیس لیتی ہے' ایک پائی نہیں چھوڑتی' مگر اچھی لگتی ہے۔ اپنے مسئلوں کے لیے' کبھی میرے پاس نہیں آئی' سوائے ایک دفعہ کے' جب اس کے بھتیجے کو اسکالرشپ چاہیے تھا۔"

بے دھیانی سے سنتے سعدی نے ایک دم چونک کر گردن موڑی' استعجاب سے آنکھیں سکیڑ کر میڈم کو دیکھا۔ وہ بدستور سامنے دیوار کو دیکھتی کہے جارہی تھیں۔

"اس کے بھتیجے کو اسکالرشپ نہیں مل سکا۔ نہ وہ اتنا لائق تھا' نہ اتنا غریب کہ وہ ہمارے معیار پہ پورا اترتا۔ مگر وہ سمجھی کہ اس کا نام ان دس اسٹوڈنٹس کی لسٹ میں اس لیے نہیں ہے کیونکہ یہ فہرست میں نے کمیشن لے کر تیار کی ہے۔ وہ میرے پاس آئی' ایک لمبی تقریر کی۔ کہ کس کس طرح وہ مجھے برباد کرسکتی ہے' بدنام کرسکتی ہے لو۔ ہر قیمت پر اس بات کو یقینی بناسکتی ہے کہ اس کا بھتیجا وہ اسکالرشپ جیتے۔ میں ہر بات تحمل سے سنتی گئی۔ آخر میں میں نے اسے بتایا' وہی جو سچ تھا کہ یہ اسکالرشپ اس کے بھتیجے کو کبھی نہیں ملے گا۔"

سعدی یوسف بالکل سُن' متحیر سا سنتا جارہا تھا۔ اسے اپنے سانس لینے کی آواز بھی نہیں آرہی تھی۔

"وہ سنتی گئی اور اس کے چہرے کا رنگ بدلتا گیا' ایسے جیسے کسی سانپ نے کاٹ لیا ہو۔ وہ یہ ماننے کو تیار نہیں تھی کہ اس کا بھتیجا کسی سے کم ہوسکتا ہے۔ بہت دیر لگی اس کو اپنی رائے سے ہٹنے میں۔ چاہے وہ غلط تھی مگر وہ کسی کی محبت میں ہی غلط تھی۔ کسی کی محبت میں غلطی کرنا پتا نہیں غلط ہوتا ہے یا نہیں۔ اور پھر زندگی میں پہلی دفعہ میری اس دوست نے مجھ سے ایک فیور مانگا۔ میں جھوٹ نہیں بولتی۔ بولنا بھی نہیں چاہیے' لیکن اس کے لیے میں نے بول دیا اسی لڑکے

ہے۔ وہ میرے پاس آیا تو میں نے کہا اسے کسی دل کے امیر آدمی نے اسکالرشپ کے لیے اسپانسر کردیا ہے۔ شاید یہ جھوٹ بھی نہیں تھا، مگر اس کی پھپھو مجھے پابند کرچکی تھی کہ میں اسے نہیں بتاؤں گی کہ وہی اس کی فیس دے رہی ہے۔ بس ایک بات پہ مجھے حیرت ہوئی۔"

وہ بولتی جارہی تھیں اور سعدی سانس روکے ان کو دیکھ رہا تھا۔ ساری دنیا ختم ہوگئی تھی۔ بس باتیں رہ گئی تھیں۔ جو وہ سن رہا تھا اور جو وہ اس دن زمر سے کر آیا تھا۔

"یہی کہ وہ اتنی امیر نہیں ہے، پھر اتنی بھاری فیس کیسے ادا کرے گی؟ میرے اصرار پہ اس نے بتایا کہ اس کے پاس ایک پلاٹ ہے جو اس کے والد نے اس کے نام کررکھا ہے۔ اس کی شادی اس کے فیوچر کی ساری سیکیورٹی اس پلاٹ کے اوپر ہے۔ اس نے کہا' وہ اس پلاٹ کو بیچ دے گی۔ نیچرلی سی بات ہے' میں نے اسے منع کیا کہ اگر ایک لڑکا اپنی ذہانت یا محنت کے بل بوتے پر ایک بڑی یونیورسٹی نہیں جاسکتا تو کیا ضروری ہے اس کے پیچھے اپنی آرام دہ زندگی کی سیکیورٹی کو داؤ پہ لگا دو۔ تب اس نے مجھے ایک بات کہی۔ ساری زندگی تو نہیں مگر چند سال تو میں ضرور یاد رکھوں گی۔ اس نے کہا۔ "میرے خاندان کی سیکیورٹی وہ پیسہ نہیں ہے۔ ہماری سیکیورٹی' ہمارے خاندان کا وہ پہلا بچہ ہے' جس کو میں نے انگلی پکڑ کے چلنا سکھایا تھا۔ اب جب وہ بھاگنے کے قریب آیا ہے تو مجھے اس کے لیے راستہ تو بنانے دیں۔" اور پھر اس نے وہ پلاٹ بیچ دیا۔ اب وہ مسلسل میرے پاس رقم جمع کرواتی ہے۔ میں اس رقم کو ایک اسکالرشپ ڈونیشن فنڈ کے طور پر اس لڑکے کی فیس کے لیے اس کے حوالے کرتی ہوں۔ ذرا سا جھوٹ تو۔ کسی کی زندگی بن گئی' برا سودا نہیں تھا' مگر قربانی تھی۔ کیونکہ محبت ایک بہت سادہ مگر ایک بہت پیچیدہ شے ہے۔"

سعدی کا رنگ ایسے سفید ہورہا تھا' جیسے سانس تک نکل چکی ہو۔ وہ بنا پلک جھپکے بس ان کو دیکھ رہا تھا۔

شاکڈ' حیرت زدہ' متعجب۔

"کیا یہ سچ ہے؟ کیا پھپھو نے۔۔۔" اس کے الفاظ حلق میں ہی ٹوٹ گئے۔ میڈم ریشہ نے چونک کر اسے دیکھا اور حیرت سے پوچھتے ہوئے اپنا پرس اٹھاتے ہوئے کھڑی ہوئیں۔

"کیا؟ میں نے تو پچھلے پانچ منٹ میں تم سے کوئی بات نہیں کی۔ میں تو سوچ رہی تھی۔ شاید میں اونچا سوچنے لگ گئی ہوں۔ بوڑھے ہونے والے لوگوں کو یہ مسئلہ ہوتا ہے۔ لیکن میرا نہیں خیال کہ کسی دماغی مرض کی وجہ سے کسی انسان کو کانفیڈنشیلٹی توڑنے پر موردالزام ٹھہرانا چاہیے' اور یہ اونچا بولنا ایک دماغی مرض ہی تو ہے۔ و نسوں۔" موبائل پرس میں ڈالتے ہوئے سرنفی میں ہلاتے' جیسے اپنے سٹھیا پن کا افسوس کرتے ہوئے' انہوں نے اس کو مسکرا کر خدا حافظ کہا اور آگے بڑھ گئیں۔

☆ ☆ ☆

میڈم رمشہ کب کی جاچکی تھیں۔
وہ آہستہ سے اٹھا اور چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا کاریڈور میں آگے بڑھتا گیا۔ سفید چہرہ' خالی ویران آنکھیں لیے۔ وہ چلتا رہا' یہاں تک کہ ہسپتال کے دروازے آ گئے۔ باہر لان میں روش پہ بڑے ابا کی وہیل چیئر دھکیلتی حنین نے چونک کر اسے یوں ڈھیلا ڈھیلا سا چلتے دیکھا اور پھر رک کر دیکھتی رہی۔ یہاں تک کہ وہ مخالف سمت چلتا دور ہو تا گیا۔ کوئی موڑ آیا اور وہ نظروں سے اوجھل تھا۔
حنین کے چہرے پہ بے چینی بھری فکر مندی در آئی۔ وہ وہیل چیئر کو موڑ کر اسی سمت لے گئی۔ ساتھ میں بے دھیانی سے بڑے ابا کو سن بھی رہی تھی۔
"اور تم' زیب کاروار کو فارس کے اوپر سے ہاتھ یوں کھینچنا نہیں چاہیے۔ ان کو ایک دفعہ ہم سے بات کرنی چاہیے تھی۔"
"وہ زمر پھپھو کے علاج کا سارا خرچا اٹھا رہے ہیں' یہی بہت ہے۔" وہ متلاشی نظروں سے ادھر ادھر دیکھتی وہیل چیئر آگے لارہی تھی۔
"یعنی وہ فارس کو قصوروار سمجھتے ہیں' تب ہی مداوا کر رہے ہیں۔" بڑے ابا افسوس سے سرہلاتے کہہ رہے تھے۔ حنین نے توجہ نہیں دی۔ وہ آگے بڑھتی رہی۔
یہاں درخت تھے' بیلوں کی باڑ تھی اور کونے میں واٹر کولر لگا تھا۔ سبزے میں ٹھنڈا میٹھا پانی۔ حنین کے قدم رکے نہیں' آہستہ ہو گئے۔ آنکھوں میں شدید صدمہ سا آ ترا۔
کولر کے دائیں طرف درخت تھا' درمیان میں تھوڑی سی جگہ تھی' وہاں سکڑ کر' رخ دیوار کی طرف کیے سعدی کے خود کو یوں دیکھے جانے پہ شرمندگی کا ڈر وہ بوجھل قدموں سے آگے بڑھتی گئی۔ بڑے ابا گردن گرائے افسردہ سے اپنی کہتے گئے۔ حنین کی عینک کے پیچھے آنکھیں گلابی پڑتی گئیں۔ وہ رو رہا ہے۔ بھائی رو رہا ہے۔ مگر کیوں؟
"کیا پھپھو ٹھیک ہو جائیں گی بڑے ابا؟" اس نے خود کو کہتے سنا۔ "اعلیٰ ان کی بیماری سے بہت اپ سیٹ ہے۔" وہیل چیئر دھکیلتی اب کولر کو پیچھے چھوڑ کر وہ دور جارہی تھی۔ ساتھ ہی آواز بھی مدھم پڑتی گئی۔
بڑے ابا نے جواب میں کیا کہا' درختوں تک آواز نہیں پہنچی۔ وہ دور ہوتے گئے۔

☆ ☆ ☆

لوگ ٹوٹ جاتے ہیں ایک گھر بنانے میں
تم ترس نہیں کھاتے بستیاں جلانے میں

سعدی اکیلا بیٹھا بدستور رو رہا تھا۔
وہ شام سعدی کے دل کی ساری سوگواریت اپنے اندر سموئے اتری تھی۔ وہ سارہ کے گھر کے کچن میں رکھی کرسی پہ خاموش بیٹھا تھا۔ ندرت منہ ہی منہ میں کچھ بڑبڑاتیں سامنے کھانا رکھ رہی تھیں۔
"زمر کو خیال کرنا چاہیے تھا۔ جب زرتاشہ کے والد اور وارث کی بیوی فارس کو بے گناہ سمجھتے ہیں تو وہ کیوں ایسا کر رہی ہے؟" سعدی سر جھکائے سنجیدگی سے خالی پلیٹ کو دیکھتا رہا۔ ندرت نے اس کی پلیٹ میں سالن ڈالا' روٹی نکال کر دی۔
"کھاؤ بیٹا۔" اس نے بے دلی سے روٹی کا لقمہ توڑا۔ پھر نظریں اٹھا کر ماں کو دیکھا۔ وہ پر امید سی' پریشان سی اس کو دیکھ رہی تھیں۔
"تم پھپھو سے بات کرنا' وہ اپنا بیان واپس لیں۔" پھر خفگی سے غور سے اس کے چہرے کو دیکھا۔ "تمہیں کیا ہوا۔ آنکھیں سرخ پڑ رہی ہیں۔"
"کچھ نہیں۔ فلو ہے۔" وہ گیلی آواز میں کہہ کر سر جھکتا' پلیٹ پہ جھک گیا۔
"میں جوشاندہ بنا دوں گی' اس کے بعد پی لینا۔ ٹھیک ہو جائے گا۔"
کاش دل کی بیماریوں کا بھی کوئی تریاق ہوتا۔ گھول کر پی لو اور سب خوش باش ہو جائے۔ اس نے تلخی سے سوچا تھا۔
"کیا تم نے دوبارہ پھپھو سے بات کی؟"

"نہیں۔"

"کوشش تو کرو۔فارس میرا بھائی ہے سعدی! مجھے اس کی فکر ہے۔"

"زمر میری پھپھو ہیں اور مجھے ان کی فکر ہے۔"

"اس کا علاج ہو رہا ہے۔وہ ان شاء اللہ جلد صحت یاب ہوں گی۔"

سعدی نے بددلی سے پلیٹ پرے کردی۔"ان کے علاج پہ جو خرچا ہو رہا ہے' وہ لیورنگ زیب کاروار اٹھا رہے ہیں' ہے نا؟" ندرت کو تلخی سے دیکھ کر وہ ایک دم پوچھنے لگا۔وہ ٹھہر کر اسے دیکھنے لگیں۔

"ہاں' بڑے ابا چاہ کر بھی انکار نہیں کر سکے۔کیسے کرتے؟ ان کا سب تو زمر کے جہیز اور زیور پہ خرچ ہو گیا۔"

"اور وہ پلاٹ؟ پھپھو کے پاس تھا نا ایک پلاٹ' وہ کہاں گیا؟ شادی کا خرچا تو بڑے ابا نے مین مارکیٹ میں اپنے نام کی واحد دکان بیچ کر اٹھایا تھا' یہ بھی مجھے پتا نہ چلتا اگر آپ نہ بتاتیں۔"

"ہاں' وہ زعیم بھائی (ندرت کے کزن) کو بیچی تھی۔اس لیے مجھے پتا چل گیا۔پلاٹ تو زمر نے پہلے ہی بیچ دیا تھا۔" وہ اب اپنی پلیٹ میں سالن ڈال رہی تھیں۔"کسی مقدمے وغیرہ کے لیے اسے رقم کی ضرورت تھی' تو بیچ دیا۔بڑے ابا نے ایک دفعہ میرے پوچھنے پہ بتایا تھا۔"

سعدی نے کرب سے آنکھیں بند کرلیں 'پھر ایک دم اٹھ کھڑا ہوا۔ندرت نے روکا کہ کھانا تو کھالے مگر وہ لاؤنج میں آگیا۔

وہاں بڑے صوفے پر سارہ بیٹھی تھی۔بیر اور پر کیے' بھورے رنگ کا دوپٹا سر پہ لپیٹے' وہ ہتھیلی پہ چہرہ جمائے' دیوار کو دیکھ رہی تھی یا شاید اس کے پار۔اسے آتے دیکھ کر چہرہ سیدھا کیا تو اس سا مسکرائی۔

"کیسی ہیں آپ؟" وہ مسکرا بھی نہ سکا'بس سامنے کھڑا ہو گیا۔سر جھکائے' بے قصور مجرم۔

"بہتر ہوں۔تم ٹھیک ہو؟" اس نے اثبات میں سر ہلایا۔چند لمحے خاموشی سے سرک گئے۔

"فارس کیسا ہے؟ اس کے ساتھ یہ سب کیا ہو رہا ہے؟"

"ان کو وارث ماموں کے قتل کے الزام میں پکڑا گیا ہے' مگر ہم سب جانتے ہیں' یہ سب غلط ہے۔آپ بھی ایسا ہی سمجھتی ہیں نا؟" ذرا دیر کو وہ ڈرا ہوا لگا۔

"مجھے نہیں پتا سعدی! تم سب کہتے ہو تو ایسا ہی ہو گا۔فارس اور قتل۔۔۔" اس نے سر جھٹک کر جھرجھری لی۔سعدی کی اٹکی سانس بحال ہوئی۔پھیکا سا مسکرایا۔

"ہم اصلی قاتلوں کو ضرور سزا دلوائیں گے خالہ!"

اور سارہ کے چہرے کی اذیت بڑھ گئی۔

"اس سے کیا ہو گا؟ وارث واپس نہیں آئے گا۔"

آج پھر سعدی کے پاس اس سوال کا جواب نہیں تھا۔وہ خاموشی سے باہر نکل آیا۔لان میں کیاری کے ساتھ اہل بیٹھی گھاس پہ انگلیاں چلاتی کچھ لکھ رہی تھی۔نادیدہ الفاظ' ان کہی باتیں۔

سعدی قدم قدم چلتا اس تک آیا۔جو گرزاہل کے ہاتھوں کے قریب ہوئے تو اس نے سر اٹھایا۔آنکھیں مسکراہٹ سے چمکیں۔"سعدی بھائی!"

"کیا تم بابا کے لیے دعا کرتی ہو؟" ہر دفعہ کی طرح آج پھر پوچھا۔اہل نے جنبش اثبات میں سر ہلایا۔

"روز کرتی ہوں۔"

"گڈ۔" وہ مسکرا کر پلٹ گیا۔گیراج کی طرف جاتے ہوئے اس کے دل سے بھی دعا نکلی۔مغفرت کی' جنت ملنے اور جہنم سے آزادی کی' ایک دم وہ رک گیا۔اہل کو کیا پتا جنت۔۔اور جہنم کا؟ معافی اور بخشش کا؟ وہ الٹے قدموں واپس آیا۔اس کے مقابل پنجوں کے بل بیٹھا' آنکھیں سکیڑ کر اس کا چہرہ دیکھا۔

"تم کیا دعا کرتی ہو اہل! بابا کے لیے؟"

وہ جو گھاس پہ پھر سے لکھ رہی تھی' نظریں اٹھا کر سادگی سے اسے دیکھنے لگی۔

"یہی کہ بابا واپس آجائیں۔" رک کر پوچھا۔"وہ واپس آجائیں گے' نا سعدی بھائی!"

سعدی شل سا اسے دیکھے گیا۔ہیربینڈ میں جکڑے بالوں والی اہل امید سے اسے دیکھ رہی تھی۔اس نے

خود کو کہتے سنا۔

"وہ اب بھی بھی واپس نہیں آئیں گے۔ تم دعا کیا کرو کہ وہ جہاں رہیں' خوش رہیں۔" اہل چند لمحوں کے لیے بالکل خاموش ہو گئی۔ پھر جو رازداری سے قریب کیا۔

"اگر میں بابا کی قبر کھودوں۔۔۔ تو کیا وہ نیچے۔۔۔ ہوں گے؟" ہچکچاتے ہوئے بولی۔

"ہاں' مگر ان کی جو روح تھی' وہ اوپر چلی گئی ہے آسمانوں میں۔ مگر وہ قبر میں بھی ہیں۔" وہ سوچ سوچ کر الفاظ چن رہا تھا۔ اہل کے ابرو اچنبھے سے اکٹھے ہوئے۔

"ڈبل ہو گئے ہیں؟" اس نے دو انگلیوں کی وی بنا کر حیرت سے پوچھا۔ سادہ سوال کے پیچیدہ جواب۔ وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ دعا کی پھر سے تاکید کی اور گیراج کی جانب بڑھ گیا۔

ایک قتل کتنے خاندان تباہ کرتا ہے' کتنی زندگیاں اجاڑ دیتا ہے۔

ایک قتل سب بدل دیتا ہے۔

☆ ☆ ☆

ہم بھی کن جنگلوں میں بستے ہیں
بند جن میں تمام رستے ہیں

اسپتال میں وہی باسی پھولوں کی مہک رچی بسی تھی۔ زمر تکیوں کے سہارے قدرے ٹیک لگا کر لیٹی تھی۔ بال کیچر میں اوپر بندھے' اور چہرے پہ سنجیدگی چھائی تھی۔ خاموش نظروں سے کبھی سامنے ٹہلتے چہرے موجود ابا کو دیکھتی اور کبھی ساتھ کرسی پہ آگے کو ہو کر بیٹھے ہاشم کو جو ایک فائل کھولے کہہ رہا تھا۔

"یہ صرف ایک رسمی کارروائی ہے' آپ کے کڈنی ٹرانسپلانٹ اور اس کے بعد کے بھی تمام میڈیکل بلز اورنگ زیب کاردار اٹھائیں گے اور اگر کل کو فارس غازی بے گناہ ثابت ہو جاتا ہے تب بھی کوئی اس عمل کو روک نہیں سکتا۔" چیک اور دوسرے کاغذات اوپر نیچے کر کے موٹی موٹی بات سمجھاتے ہوئے اس نے سر اٹھایا۔ بال جیل سے پیچھے کیے' گرے کوٹ' کف لنکس لگائے' آنکھوں کی سنجیدگی' وہ ہمیشہ کی طرح اچھی طرح تیار تھا۔

"آف کورس! ان کو میرے میڈیکل بلز پے کرنے چاہئیں۔ ان کے بھانجے نے میری زندگی برباد کی ہے۔" زمر کا انداز خشک تھا۔ ہاشم نے گہری سانس لے کر سر ہلایا۔

"اور جواب میں آپ اورنگ زیب کاردار کے بارے میں کسی قسم کا منفی بیان نہیں دیں گی۔"

"عدالت میں؟"

"پریس میں!"

بڑے ابا ناپسندیدگی سے گردن موڑ کر ہاشم کو بات کرتے دیکھتے رہے۔

"شیور مگر۔" زمر نے آنکھوں کی پتلیاں سکیڑ کر تیکھی نظروں سے ہاشم کو دیکھا۔

"کیا اس کاغذ پہ یہ لکھا ہے کہ یہ مداوا کاردار صاحب اس لیے کر رہے ہیں کیونکہ ان کے بھانجے نے مجھے نقصان پہنچایا ہے؟"

"بالکل!" اس نے اٹھ کر فائل اور پین زمر کے ساتھ رکھا۔ وہ زرد کاغذ اٹھا کر باریک بینی سے ایک ایک شق پڑھنے لگی۔ پھر قلم کھولا۔ دستخط کیے۔ اور واپس اس کی طرف بڑھاتے ہوئے اسی سپاٹ' روکھے انداز میں بولی۔

"مجھے کاردار صاحب سے کوئی گلہ نہیں' لیکن اگر آپ نے کبھی یہ معاہدہ توڑا اور میرا کوئی میڈیکل بل پے نہ ہوا تو میں بھی ان تمام شقوں کو ردی میں ڈال دوں گی۔"

"شیور میڈم پراسیکیوٹر!" وہ بہت تحمل سے کاغذ واپس فائل میں لگاتے ہوئے بیٹھا' ٹانگ پہ ٹانگ چڑھائی۔ بڑے ابا نے ناپسندیدگی سے اسے دیکھا۔

"یہ مداوے سے زیادہ خود کو فارس پہ لگے الزامات کی گرد سے بچانے کا معاہدہ لگ رہا ہے مجھے۔"

"بالکل ایسا ہی ہے۔" کمال ڈھٹائی سے کہتے ہوئے اس نے بریف کیس اٹھایا' کھولا' کاغذ اس میں ڈالے۔

بڑے ابا نے کڑواہٹ سے رخ پھیر لیا۔ ہاشم ان کو ویسے بھی نہیں دیکھ رہا تھا۔

"میں چلتا ہوں۔" بریف کیس بند کر کے وہ اٹھا۔ ایک رسمی مسکراہٹ سے زمر کو دیکھ کر سر کو خم دیا اور دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ اس کے جاتے ہی بڑے ابا نے سنجیدگی سے زمر کو دیکھا۔

"ہمیں ان کے پیسوں کی ضرورت نہیں تھی۔"

"مجھے بھی۔ آپ کا بینک بیلنس کتنا رہ گیا ہے میں جانتی ہوں۔" وہ زیادہ کڑوی ہو رہی تھی۔

"اگر میں معذور نہ ہوا ہوتا تو میں یہ مدلوا قبول نہ کرتا۔"

"یہ ان کا فرض تھا' ان کے بھانجے نے جو میرے ساتھ کیا ہے' اس کے بعد اس کے خاندان کو اس سے بھی زیادہ کرنا چاہیے۔"

"زمر!" وہ جیسے تھک کر بولے۔ "تم ایک دفعہ فارس کی بات سن لو۔"

"اس کی جو آخری بات سنی تھی' وہی کافی ہے میرے لیے' یہ موضوع ختم ابا!"

دونوں ہاتھ اٹھا کر گویا حتمی فیصلہ سنا دیا۔ وہ گردن جھکا کر خاموش ہو رہے۔ پھر جب حنین آئی تو ان کی وہیل چیر باہر لے آئی۔ نکلتے وقت اس نے گردن موڑ کر زمر کو دیکھا' وہ تکیوں کے سہارے نیم دراز' چہرہ موڑ کر کھڑکی کو دیکھ رہی تھی۔ آنکھوں میں سوچ تھی' پیشانی پہ بل تھے۔ ایک دفعہ بھی حنین کو نہیں دیکھا۔ وہ یاسیت سے سر جھٹکتی بڑے ابا کو باہر لے آئی۔

✡ ✡ ✡

رخصت ہواں کوئی لٹانے ادھر آ بھی نہ سکے
اسے مشکل تو نہیں وحشت وفا کے جلوے

ویٹنگ روم میں سعدی کرسی پہ بیٹھا تھا۔ سر جھکائے' اپنے ہاتھوں کو باہم مسلتا۔ بڑے ابا کو آتے دیکھ کر وہ سیدھا ہوا۔ اور سنجیدگی سے ان کی آنکھوں میں دیکھا۔

"میں نے ٹیسٹ کروائے تھے۔ ابھی رپورٹس آجائیں گی۔"

"کس چیز کا ٹیسٹ۔؟" حنین چونکی' بڑے ابا نے بھی حیرت سے اسے دیکھا۔

"کڈنی ڈونر نہیں ملا۔ ڈاکٹر نے کہا ہے' قریبی رشتہ داروں کا گردہ زیادہ بہتر رہے گا۔"

"بھائی!" حنین کی سانس اٹک گیا۔

"سعدی!" بڑے ابا متحیر رہ گئے پھر وحشت سے آگے ہوئے۔

"تم نہیں۔ بالکل بھی نہیں۔ ابھی تمہاری عمر ہی کیا ہے۔"

"ڈاکٹر نے کہا ہے' میں ڈونیٹ کر سکتا ہوں۔ میرا دل بھی یہی کہتا ہے۔"

وہ آنکھیں سکیڑ کر تیکھی نظروں سے دادا کو دیکھ کر چبا چبا کر کہہ رہا تھا۔ انہوں نے اچنبھے سے اسے دیکھا۔

"کیا تم کسی بات پہ خفا ہو؟"

"اس کو چھوڑیں۔ مجھے صرف ایک گارنٹی دیں۔ اگر میرا گردہ میچ کر گیا تو آپ زمر کو نہیں بتائیں گے کہ یہ میں دے رہا ہوں۔"

"بالکل نہیں۔ زمر بھی تم سے گردہ نہیں لے گی۔ تم ایسا نہیں کرو گے۔" وہ تڑپ گئے تھے۔ حنین وہیل چیر تھامے ہنوز شاکڈ سی کھڑی تھی۔

"حنین! کیا تم باہر جا کر سسٹر حمیرا سے پوچھ سکتی ہو کہ رپورٹس آئیں یا نہیں؟" وہ سر اٹھا کر سپاٹ انداز میں کہنے لگا۔ حنین نے شل ذہن کے ساتھ اثبات میں سر ہلایا اور باہر نکل گئی۔ سعدی نے دوبارہ ان ہی نظروں سے بڑے ابا کو دیکھا۔

"اس وقت ان کو کڈنی چاہیے' میں دے رہا ہوں' مگر آپ ان کو نہیں بتائیں گے۔" اور ابا کو غصہ چڑھنے لگا۔

"میں تمہیں اول تو ایسا کرنے ہی نہیں دوں گا اور اگر تم نے ضد کی تو میں زمر کو یہ بات بتا دوں گا' پھر وہ ساری زندگی ڈائیلسز کرواتی رہے گی مگر تم سے گردہ نہیں لے گی۔ کوئی اپنے بچوں سے قربانی مانگتا ہے کیا؟"

سعدی نے لب بھینچے اثبات میں گردن ہلائی ' پیچھے ہو کر بیٹھا۔ "مجھے معلوم ہو گیا ہے کہ میری فیس وہی دیتی ہیں۔"

بڑے ابا کو جھٹکا لگا ' بے یقینی سے اسے دیکھنے لگے۔

"کیوں ؟ کیا وہ نہیں دیتیں ؟ کر دیں انکار۔"

وہ بس اسے دیکھ کر رہ گئے۔ صدمہ سا صدمہ تھا۔ اس کی آنکھیں گلابی پڑ رہی تھیں۔

"دیتی ہیں نا ؟" ایک آس پھر سے جوڑی۔ قدرے گیلی آواز میں ' ڈرتے ڈرتے پوچھا۔ بڑے ابا نے ہلکا سا اثبات میں سر ہلایا۔ سعدی نے ناک سے گیلی سانس اندر کھینچی۔ سر سمجھنے والے انداز میں ہلایا۔ نمی اندر اتاری۔

"تھینک یو بڑے ابا ! اب اگر آپ نے زمر کو کچھ بتایا تو میں بھی انہیں بتا دوں گا کہ یہ فیس والی بات آپ نے مجھے بتائی ہے۔"

وہ حق دق رہ گئے۔ "میں نے کب ۔۔۔۔ ؟"

"ابھی بتایا ہے نا۔" خود کو سنبھال کر اطمینان بھری بے نیازی سے کہہ کر وہ پیچھے کو ہو گیا۔ وہ بالکل ہکا بکا اسے دیکھ رہے تھے۔ آج لگا ' سعدی بڑا ہو گیا ہے۔ یعنی وہ سری بلیک میلر اولاد ؟ ایک زمر کم تھی کیا ؟ حنین واپس اندر آئی ' نفی میں سر ہلایا۔ کچھ کہنے سے فی الحال معذور تھی۔

"مجھے پتا ہے میرا کنڈلی میچ کر جائے گا۔ مگر آپ دونوں میں سے کوئی زمر کو نہیں بتائے گا۔" وہ قطعیت سے باری باری ان کا چہرہ دیکھتا تنبیہہ کر رہا تھا۔

"اور امی ؟" بالآخر وہ بولی۔

"ان کو میں سمجھا دوں گا ' بے فکر رہو۔"

"مگر زمر کو کیا کہیں گے ' کس کا گردہ ہے یہ ؟" بڑے ابا کا لہجہ اب کمزور تھا۔

"وہ ڈونر سا دیکھ رہی ہیں ؟ کسی سے ملوا دیں گے انہیں ' کہیں گے کہ یہ اس کا گردہ ہے۔"

"یہ بات ہمیشہ نہیں چھپے گی سعدی ! اسے بتانا پڑے گا۔ تم خود بتا دو۔ وہ تو اب تک تم سے خفا ہے۔"

"اگر مان گئیں تو پوچھیں گی نہیں کہ میں کدھر ہوں ؟ ملنے کیوں نہیں آتا ؟ بس انہیں کہیے گا میں واپس چلا گیا ہوں۔" وہ سب طے کر چکا تھا۔ وہ دن سے یہی سوچ رہا تھا۔ بڑے ابا کو افسوس سا ہونے لگا۔

"ایسے وہ دل صاف نہیں کرے گی میں اسے جانتا ہوں۔"

"میں بھی جانتا ہوں انہیں ' وہ جلد ٹھیک ہو جائیں گی۔" مگر وہ غلط تھا۔

"اسے بتا دو سعدی ! آپریشن کے بعد بتا دینا بے شک۔" وہ اب نیم رضامند لگ رہے تھے۔

"یہ میرا ٹیسٹ ہے۔ میں تیمارداری کر کے نمبر بناؤں یا پڑھائی کے بہانے نظروں سے غائب ہو کر اپنا قرض ادا کر لوں اور اگر برا بنتا ہوں تو بن جاؤں ' مگر مجھے اس ٹیسٹ میں فیل نہیں ہونا !"

"تم اس سے بات تو کر کے دیکھو !"

"نہیں نا ! اگر پھپھو کو پتا چلا کہ یہ میرا گردہ ہے تو وہ کبھی نہیں لیں گی۔ پھپھو مجھ سے بہت محبت کرتی ہیں۔ میں ان کا بھائی بھی ہوں ' دوست بھی اور بیٹا بھی۔ وہ مجھے کبھی اس تکلیف سے نہیں گزارنا چاہیں گی۔"

"تو ہم پھپھو کو کیا کہیں گے ؟" سوئی سوئی سی حنین جیسے جاگی۔ دماغ کام کرنے لگا۔

"کسی سے ملوا دیں گے ' کسی کو راضی کر لیں گے اس کام پہ۔" یہ سعدی کو مسئلہ نہیں لگ رہا تھا۔ وہ بار بار بے چینی سے گھڑی دیکھتا۔ اسے رپورٹس کا انتظار تھا۔

"مگر کس سے ؟"

سعدی نے اکتا کر حنین کو دیکھا۔ "یہ بعد کی بات ہے۔" تب ہی دروازہ ہلکا سا بجا۔

حنین چونک کر مڑی ' چوکھٹ میں علیشا کھڑی تھی۔ مسکراتی ہوئی ' سفید ٹراوزر اور بھوری شرٹ میں۔ کہنی پہ بیگ ٹنگا تھا۔

"میں تمہاری آنٹی کو دیکھنے آئی تھی۔" وہ نرمی سے کہتی آگے آئی۔

حتین نے سعدی کو دیکھا' سعدی نے حتین کو۔ پھر دونوں نے علیشا کو دیکھا۔

"بھائی! کیا آپ بھی وہی سوچ رہے ہیں جو میں سوچ رہی ہوں؟"

"کیا یہ مان جائے گی تھوڑی سی لواکاری پہ؟"

دونوں نے دبی دبی آواز میں فقروں کا تبادلہ کیا۔ علیشا نے باری باری ان کے چہرے دیکھے۔

"کیا سب ٹھیک ہے؟"

"آف کورس!" حتین کا دماغ تیزی سے کام کرنے لگا' جلدی سے ایک کرسی سے چیزیں ہٹائیں' اسے جگہ بنا کر دی' سعدی اٹھ کر چوکھٹ پہ جا کھڑا ہوا۔ نگاہیں راہداری میں لگے کلاک پہ ٹکی تھیں' بڑے ابا اپنی سوچوں میں الجھے تھے۔

علیشا نزاکت سے بیٹھی' گھٹنے ملا کر' پرس زمین پہ رکھا۔ حتین ساتھ والی کرسی پہ آگے ہو کر بے چین سی بیٹھی۔

"مجھے تم سے ایک کام ہے علیشا! کچھ دیر میں بتاتی ہوں۔" وہ بھی سعدی کی نظروں کے تعاقب میں دیکھ رہی تھی۔

"او کے!" علیشا نے شانے اچکا دیے۔

"اگر کڈنی میچ نہ کیا تو؟" بڑے ابا نے اپنی ہی سوچ میں سوال کیا۔

"تو پھر کسی اور کو دینا پڑے گا۔"

"مگر کس کو؟" وہ حتین سے سوال کر کے خود ہی خاموش ہو گئے۔ حتین نے نظریں جھکا کر خود کو دیکھا' پھر اپنے بازو کو۔ آستین ذرا تنگ تھا۔ اس نے دو انگلیاں بیچ میں رکھ لیں' جیسے اسے کھول کر آستین اوپر چڑھانے پر تیار ہو۔ انگوٹھے سے بازو کے اوپر لکیر کھینچی۔ کون سی رگ ہے بھلا جس سے ٹیسٹ کے لیے خون نکالا جاتا ہے۔

"تم نے بتایا نہیں میرا گفٹ کیسا لگا؟" علیشا موبائل پہ بٹن دباتی پوچھ رہی تھی۔ حتین نے خالی خالی نظروں سے اسے دیکھا' پھر پھیکا سا مسکرائی۔

"وہ لاکٹ' اس پہ بھی تمہارے کی چین والی عبارت درج تھی۔" وارث کے قتل کی رات جب وہ اور فارس علیشا کے کمرے سے نکلے تھے' تب اس نے حتین کو جو ڈبا تھمایا تھا اس میں سے سیاہ ہیرے کی شکل کا کٹا پتھر جڑا لاکٹ نکلا تھا۔ اس نے بہت دن بعد کھولا۔

"مجھے وہ بہت اچھا لگا' مگر اس کا کیا مطلب ہوا؟"

"ہمیشہ کے لیے چچوٹیاں" (Aunts for ever)

وہ انگلی ابھی تک بازو کی رگ پہ رکھے بیٹھی تھی۔

علیشا نے آہستہ سے موبائل رکھا' اسے دیکھ کر تکان سے مسکرائی۔ "تم نے مجھ سے کوئی کام کہنا تھا؟"

"ہاں... وہ کیا... تم میری آنٹی کو یہ کہہ سکتی ہو کہ تم ان کو اپنی مرضی اور خوشی سے کڈنی ڈونیٹ کر رہی ہو؟ دراصل جو رشتے دار ڈونیٹ کر رہا ہے' وہ اس سے لینا نہیں چاہیں گی اور..." وہ جلدی جلدی ساری بات سمجھا گئی۔

"مگر میں تو رات کی فلائٹ سے واپس جا رہی ہوں۔"

"لو... کیا تم رک نہیں سکتیں؟ کیا تمہارا کام ہو گیا جس کے لیے تم آئی تھیں؟"

"نہیں... وہ تو نہیں ہوا۔ میں بھی کس امید پہ چلی آئی۔" تلخی سے مسکرا کر خود پہ افسوس کیا۔ حتین بے چینی سے آگے ہوئی۔

"تم بس پانچ منٹ کے لیے آنٹی سے مل لو۔ بعد میں ہم کہہ دیں گے کہ انہیں دوسرے ہسپتال شفٹ کروا دیا گیا ہے۔"

"او کے!" وہ متامل تھی مگر شانے اچکا دیے۔ حتین پھر سے مضطرب سی دروازے کی سمت دیکھنے لگی۔

"ٹرانسپلانٹ پہ تو کافی خرچا آ رہا ہو گا۔" علیشا نے برائے بات پوچھا۔

"پتا نہیں وہ سب اورنگ زیب انکل کا سر درد ہے۔"

علیشا کا سانس رک گیا۔ بنا پلک جھپکے وہ حتین کو دیکھنے لگی۔

"تمہارے وہی انکل جن کا تم بہت ذکر کرتی ہو۔"

"ہاں۔ پتا نہیں ہماری اکثر باتوں میں ان کا ذکر کیوں نکل آتا ہے؟" یہ سوال سوچنے کا وقت ذہن حنین کے دماغ کو کبھی نہیں ملا تھا۔ اب بھی کہہ کر بھول گئی۔

"وہی علاج کا خرچا اٹھا رہے ہیں۔"

"مگر۔ کیوں؟" حیرت زدہ سی وہ بمشکل پوچھ پائی۔ حنین نے شانے اچکائے۔ ابھی تک چوکھٹ کو دیکھ رہی تھی۔

"وہ فارس ماموں کے باپ کی جگہ ہیں اور پھپھو مسلسل فارس ماموں کو اس سب کا ذمہ دار ٹھہرا رہی ہیں تو اورنگ زیب انکل اپنے بھانجے کی طرف سے مداوا کرنا چاہ رہے ہیں۔"

علیشا سے اگلا سانس نہیں لیا گیا۔ اس نے چہرہ سامنے کو پھیر لیا۔ تھوک نگلا' آنکھوں میں آئی نمی اندر اتاری۔

"ان سے کسی نے رقم نہیں مانگی' وہ پھر بھی دے رہے ہیں' صرف اس لیے کہ وہ فارس کے باپ کی جگہ ہیں۔ حنین! کتنی رحم دلی ہے' ہے نا!؟"

حنین نے نفی میں سر ہلایا۔ چوکھٹ میں کھڑا سعدی گردن موڑ کر دیکھنے لگا۔ وہ حنین کے ساتھ بیٹھی' سر جھکائے' لی چمن پہ انگلی پھیرتی کہے جا رہی تھی۔

"چیونٹی (Harvester Ant) (Maricopa) دنیا کا سب سے زہریلا کیڑا ہے۔ اس کیڑے کو انتقام پہ نہیں اکسانا چاہیے' ورنہ اس کے کاٹنے سے طاقتور سے طاقتور انسان بھی مر جائے۔ پتا ہے ایک دفعہ کسی نے مجھ سے یہ بات کہی تھی کہ تم ساری عمر چیونٹی رہو گی۔ مجھے وہ بات پہلے بہت بری لگی' پھر اچھی لگنے لگی کیونکہ میں چیونٹی ہی تو ہوں۔ سب کمزور اور بے بس لوگ چیونٹیوں کی طرح ہوتے ہیں۔" حنین بے دھیانی سے سن رہی تھی۔ وہ خاموش ہوئی تو وہ جلدی سے بولی۔

"کیا تم میری آنٹی سے مل لو گی؟ اتنا وقت ہو گا نا تمہارے پاس؟"

علیشا نے سر اٹھایا' مسکرا کر نم آنکھوں سے اسے دیکھا۔

"شیور۔ میں نے ارادہ بدل دیا ہے۔ میں کچھ دن مزید ٹھہر سکتی ہوں' اپنا کام بھی مکمل کر لوں گی۔"

حنین کا چہرہ فرط مسرت سے دمکنے لگا۔ اس نے خوشی سے علیشا کا ہاتھ دبایا۔

"تھینک یو' علیشا! تم میری سب سے اچھی دوست ہو۔ کتنا عجیب اتفاق ہے نا کہ میں ان دونوں میں تم آئی ہو' جب ہم اتنے کرائسز میں ہیں' مگر تم ہمارے ساتھ رہیں۔"

علیشا کا رنگ سفید پڑا۔ حلق میں کچھ اٹکا۔ وہ تو اورنگ زیب کار دار کے ایکشن کا سن کر آئی تھی اور وہ خود بھی بے خبر تھی کہ اگر یہ ایکشن نہ ہوتے تو وارث کو شاید مہلت دے دی جاتی مگر یہاں کے ایکشن امریکا سے بہت مختلف تھے۔ اور حنین اس سب کو ایک اتفاق سمجھ رہی تھی۔

"حنین! میں' تمہیں کچھ بتانا چاہتی ہوں۔" مگر سعدی کسی کو آتے دیکھ کر فوراً" آگے چلا گیا تو حنین امید اور خوف کے ملے جلے تاثر سے کھڑی ہو گئی' بازو کی رگ پہ پھر سے دوسرا ہاتھ رکھ لیا۔

"پھر کبھی سہی!" علیشا اس کا دھیان نہ پا کر ڈھیلی سی واپس بیٹھ گئی۔ حنین چوکھٹ تک آئی۔ فکرمندی سے سامنے دیکھا۔ سعدی چند کاغذ کھول کر پڑھتا ہوا نظر آ رہا تھا۔ بازو پہ رکھا اس کا ہاتھ مضبوط ہو گیا۔ نیچ بٹن کھول لیا۔ اب بس آستین موڑنا تھا۔ پہلے بلڈ ٹیسٹ ہوتا ہے' کیا؟ اسے علم بھی نہیں تھا۔

سعدی نے گہری سانس لے کر صفحات نیچے کیے اور لمبی مسافت کی تھکن سے حنہ کا چہرہ دیکھا۔ پھر سر اثبات میں ہلایا۔

"پازیٹو!"

حنین کا بازو پہ رکھا ہاتھ بے دم سا پہلو میں آ گرا۔ اس نے زرد رنگت کے ساتھ سر کو خم دیا۔ سعدی اب پلٹ کر تیزی سے آگے جا رہا تھا۔ اسے بہت سے کام کرنے تھے۔

السابقون السابقون۔ اولئک المقربون۔

ہر قربانی کا ایک وقت ہوتا ہے اور اس وقت کی ایک ایکسپائری ڈیٹ بھی ہوتی ہے۔

☼ ☼ ☼

کیوں دار غم بھی نے طلب کی ' برا کیا
ہم سے جہاں میں کشتہ غم اور کیا کیا نہ تھے

اور ہسپتال کے کمرے میں کرسی پہ بیٹھی علیشا کو مشکوک انداز میں گھورتی' بیڈ تکیوں سے ٹیک لگائے' وہ زمر یوسف تھی اور وہ اتنی جلدی مان جاتی' ناممکن تھا۔

"اور آپ مجھے اپنا گردہ کیوں دینا چاہتی ہیں؟" اس کو ہضم نہیں ہوا تھا اس لیے تفتیش شروع کر دی تھی۔

جواب میں علیشا نے کافی بے نیازی سے شانے اچکائے۔

"میں اس واقعے کا ذمہ دار خود کو سمجھتی ہوں۔ اگر میں آپ کے آفس آجاتی تو نہ آپ ادھر جاتیں' نہ وحشت گردی کا نشانہ بنتیں۔ میں نے ٹیسٹ کروائے ہیں' گو کہ مجھے کم عمری سے دمے کی شکایت ہے مگر اس کے علاوہ میں بالکل صحت مند ہوں اور ڈونیٹ کر سکتی ہوں۔"

"اور آپ چاہتی ہیں کہ میں اس وجہ پہ یقین کر لوں؟" زمر نے تیکھی نظروں سے مسلسل اس کا چہرہ دیکھتے ہوئے کہا۔

"نہ کریں' آپ کی مرضی' مگر میں دوسری وجہ بھی ضرور بتانا چاہوں گی۔" علیشا ذرا رکی۔ سامنے بے چین سی کھڑی حنین اور قریب بیٹھے مضطرب سے بڑے ابا کو دیکھا' پھر اسی اعتماد سے پراسیکیوٹر کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولی۔

"مجھے اس قربانی کے عوض آپ کی فیملی ایک اچھی قیمت دے رہی ہے۔ جسے میں واپس جا کر یونیورسٹی فیس کے لیے استعمال کروں گی۔ اپنی زندگی بنانے کا اتنا اچھا موقع میں ضائع نہیں کروں گی۔ اگر مزید پیسے چاہیے ہوئے تو میں اس قربانی کو کسی ٹی وی شو میں اپنی کہانی چلوا کر کیش کروا لوں گی۔" آخر میں اس نے بے فکری سے شانے اچکائے۔

حنین کے لب کھل گئے' وہ ہکا بکا سی علیشا کو سن رہی تھی۔ کیا اس نے فرض کر لیا تھا کہ لوا کاری صرف زمر پہ ختم ہو جاتی ہے؟

"مگر یہ ال لیگل ہے۔" زمر کے فقرے پہ وہ سب چونکے۔ "قانون کے مطابق ڈاکٹر کبھی بھی ٹرانسپلانٹ نہیں کر سکتا اگر گردہ خون کے رشتے دار کا نہ ہو تو۔ آپ سب لوگ مل کر ایک غیر قانونی کام کیسے کر سکتے ہیں؟" ابرو بھینچ کر تادیبی انداز میں اس نے باری باری ان تینوں کے چہرے دیکھے۔

اور بڑے ابا نے کئی دفعہ کی سوچی گئی خواہش دل میں دہرائی۔ کاش انہوں نے کبھی اس لڑکی کو قانون نہ پڑھایا ہوتا۔

"یہ خاتون تو غیر ملکی ہیں مگر آپ کو تو قانون کا علم ہونا چاہیے ابا!"

"وہ ہم نے اس کا حل بھی نکال لیا ہے۔" حنین ہمت کر کے بولی تو زمر گردن موڑ کر اسے دیکھنے لگی۔ "ہم پیپرز پہ سعدی بھائی کا نام لکھوائیں گے۔"

زمر کے تاثرات بدلے۔ وہ دل کر رہ گئی تھی۔

"سعدی کا گردہ؟" وہ ایک دم تڑپ کر متوحش سی بولی' پھر غصے سے ابا کو دیکھا۔ "سعدی کا نام کڈنی ڈونر کے طور پہ۔ کبھی بھی نہیں لکھیں گے آپ لوگ یہ۔"

"ٹھیک ہے' نہیں لکھتے۔ لیکن اگر یہ فرنچ امریکن خاتون نہیں دے رہی گی" بڑے ابا نے علیشا کی طرف اشارہ کر کے سنجیدگی سے کہنا شروع کیا۔ "تو کسی خون کے رشتے دار کو دینا پڑے گا۔ فہرست بناتے ہیں' پہلے نمبر پہ میں ہوں' میرا میچ نہ کیا تو پھر سعدی ہو گا اور پھر حنین' اگر اس کا بھی نہ لگ سکا تو اسامہ تو ہے نا۔"

"ابا!" اس کے دل پہ کسی نے پیر رکھ دیا تھا۔ صدمے سے آنکھیں گلابی پڑنے لگیں۔

"بالکل بھی نہ کہنا زمر کہ تم تندرست نہیں ہونا چاہتیں۔ ہر کوئی تندرست ہونا چاہتا ہے۔ تم الگ

نہیں ہو۔ اس کے علاوہ کوئی آپشن نہیں ہے تمہارے پاس۔" زمر بالکل چپ ہو گئی۔ بے بسی سے سر جھکائے لب کاٹنے لگی۔ دل بہت برے انداز میں دکھایا تھا حنین کی بات نے۔

"مگر۔ یہ غیر قانونی ہے۔" اس کی آواز اب کے کمزور تھی۔

"ہاں اور جو تمہارے ساتھ ہوا' وہ بھی غیر قانونی تھا۔"

زمر کی آنکھوں میں کرب کے ساتھ طیش ابھرا۔

"ہوا نہیں' جو میرے ساتھ فارس نے کیا' وہ غیر قانونی تھا۔"

"پھپھو! میں ادھر ہی تھی' ماموں نے آپ کو کوئی کال نہیں کی۔ میں جھوٹ نہیں بول رہی۔" اس کے بیڈ کے دائیں طرف کھڑی حنین بے بسی سے بولی۔ زمر نے گہری سانس لے کر خود کو نارمل کرتے ہوئے سر جھٹکا اور پیچھے ہوئی۔ اب کے بولی تو آواز سنبھلی ہوئی تھی۔

"مجھے معلوم ہے تم جھوٹ نہیں بول رہیں۔ فارس بہت اسمارٹ ہے' اسے تمہیں ڈاج کرنے کے ہزار طریقے آتے ہیں۔"

حنین کو دھچکا لگا۔ بہت بے یقینی سے پھیلی آنکھوں سے اس نے زمر کو دیکھا' جو اب اپنا لحاف درست کر رہی تھی۔

"یعنی آپ مجھے جھوٹا نہیں سمجھتیں' بلکہ آپ مجھے بے وقوف سمجھتی ہیں۔" یہ صدمہ زیادہ بڑا تھا۔ زمر ان سنا کرتی لحاف ٹھیک کر کے پیچھے کو ہو گئی۔ حنین کے لب بھنچ گئے۔ بڑے ابا کی معذرتی نظروں کو دیکھے بنا وہ سرد لہجے میں بولی۔

"لوکے پھپھو! ہم سعدی بھائی کا نام لکھوا کر آپ کو ہرٹ نہیں کریں گے۔ ہم حنین یوسف کا نام لکھوا دیں گے۔ اب ٹھیک ہے نا۔" وہ کہہ کر ایک دم مڑی' اور گو کہ اس نے دیکھا بھی کہ زمر بے ساختہ نرم پڑی تھی۔ اسے منع کرنے کو کچھ کہنے والی تھی مگر حنین ان تینوں کو وہیں چھوڑ کر باہر نکل آئی۔ سعدی کاریڈور میں کھڑا تھا۔ بے ساختہ بڑھا ہوا۔ امید سے اسے دیکھا۔

"کیا انہوں نے یقین کر لیا؟"

"کر لیں گی۔ اپنی محبت کے لیے سب کر لیتے ہیں۔" وہ تلخی سے بولی۔ سعدی کا دماغ کہیں اور الجھا تھا غور کیے بنا زمر کے کمرے کا بند دروازہ دیکھنے لگا۔

وہ سر جھٹک کر آگے چلتی گئی۔ کاریڈور عبور کر کے استقبالیہ سے بھی گزر گئی۔ لان میں مریضوں اور ان کے عزیز و اقارب کی وہی چہل پہل ویسی ہی تھی۔ حنین خفگی سے منہ ہی منہ میں کچھ بڑبڑاتی گھاس کے بیچ روش پہ آگے چلتی جا رہی تھی۔ پھر یکایک ٹھہری۔ کوئی اسے دیکھ رہا تھا۔ مگر کون اور کدھر؟ وہ مڑی۔ گھوم کر ادھر ادھر دیکھا اور تب ہی وہ ایک بینچ پہ ٹانگ پہ ٹانگ جمائے' ایک بازو بینچ کی پشت پھیلائے بیٹھے ہاشم نے مسکرا کر اسے ہاتھ ہلایا۔ حنین کی آنکھیں اچنبھے سے سکڑیں۔ بہرحال وہ قدم قدم چلتی بینچ کے قریب آئی۔

"سعدی بھائی اندر ہیں۔" اس نے اپنے تئیں ہاشم کو درست سمت دکھائی۔ وہ بس مسکرا کر اسے دیکھے گیا۔

"ابھی مل کر آرہا ہوں اس سے۔ اس نے بتایا کہ ڈونر کڈنی مل گیا ہے' مگر جس شخص سے خریدا ہے' اس کے بارے میں زمر کو بتانے کے بجائے تمہاری کوئی فرینڈ۔" ہاشم نے فقرہ ادھورا چھوڑا۔ یہ کور اسٹوری صرف ہاشم کے لیے تھی۔ سعدی اس پہ لاکھ اعتماد کرتا' مگر یہ اس کے خاندان کا اندرونی معاملہ تھا۔ اور ہاشم کو بتانے کا مطلب تھا' زمر کو بھی نہ کبھی وہ بتا دے گا۔ اس کو صرف "حنین کی دوست گردہ دے رہی ہے" کہہ کر بھی کیسے ٹال سکتے تھے کہ علیشا اس اداکاری کے لیے دوبارہ مہیا نہیں ہو گی' ہاشم آتا جاتا رہے گا۔ اگر کھٹک گیا تو کھوج لگائے گا اور پتا چلنے پہ سعدی سے بد اعتماد ہو جائے گا۔ سو پہلے ہی اسے مطمئن کر دیا۔ وہ ہو بھی گیا۔ اس کی بلا سے گردہ غیر قانونی طور سے ہی خریدا ہو۔ اس کا مسئلہ تو صرف علیشا تھی' جس نے اپنی فلائٹ آگے کروالی تھی۔

"میری فرینڈ علیشا۔۔۔ اس نے پھپھو کو کنوینس کر لیا ہے، مگر آپ یہ بات پھپھو کو مت بتایئے گا۔" وہ سینے پہ بازو لپیٹے اس کے سامنے کھڑی سنجیدگی سے کہہ رہی تھی۔

"کیا یہ کہنے کی بات ہے؟" ہاشم نے حیرت سے پوچھا پھر گردن پھیر کر ہسپتال کو دیکھنے لگا۔

"علیشا۔۔۔ ہوں۔۔۔ کیا تم مجھے اس سے ملوا سکتی ہو۔ ابھی اسی وقت؟"

"آ۔۔۔ اوکے!" وہ متذبذب تھی۔

"اور ہاں! تم ابھی اس کو نہیں بتاؤ گی کہ تم اسے مجھ سے ملوانے نیا ہر لا رہی ہو۔"

"شیور!" پلکیں سکیڑ کر اسے مشتبہ نظروں سے دیکھتی وہ مڑی اور اندر چلی آگئی۔ سعدی اب وہاں نہیں تھا۔ اس نے دروازے سے ہی اندر، زمر سے باتیں کرتی علیشا کو اشارہ کیا۔ وہ معذرت کرتی اٹھ آئی۔

"آؤ باہر چلتے ہیں۔" حنین نے کہا تو وہ دونوں ساتھ ساتھ چلنے لگیں۔ عینک اور فرنچ چوٹی والی، سوچ میں گم حنین اور ساتھ دراز قد، کھلے بالوں والی خوب صورت سی علیشا۔ انہوں نے راہداری عبور کی، تب علیشا نے پرس سے لپ گلوس نکالا، لبوں میں رکھا اور اسپرے اندر کو دبایا۔ حنین رک کر اسے دیکھنے لگی۔

"کیا وہ سب اداکاری نہیں تھی؟"

"سوائے دمے کے سب فرضی تھا۔" مسکرا کر اس نے کہتے، ان ہیلر واپس رکھا۔ "تمہیں کیا لگتا ہے، تمہاری آنٹی نے میرا یقین کر لیا ہو گا؟"

"ان کے پاس کوئی دوسرا آپشن ہے کیا؟" وہ الجھی الجھی سی سامنے متلاشی نظروں سے ــــ لان کو دیکھتی باہر آئی۔ ہاشم کدھر گیا؟

"مجھے بہت افسوس ہے جو ان کے ساتھ ہوا۔ کیا حملہ آور ابھی تک نہیں پکڑا گیا؟"

"پکڑا جائے گا۔" وہ اب گردن پھیر کر ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ اپنا آپ ایک دم بے وقوف سا لگنے لگا۔ یہ ہاشم اسے بلا کر خود کدھر ہے؟

"ہیلو اگین علیشا!" وہ دونوں ایک ساتھ گھومیں۔

کوٹ کا بٹن بند کرتے ہوئے ہاشم مسکراتا ہوا استقبالیہ کی سمت سے چلا آ رہا تھا۔ حنین نے گہری سانس لی۔ اور علیشا کا رنگ، نچڑ گیا۔ وہ سفید، ساکت سی سانس روکے کھڑی تھی۔

"علیشا! یہ میرے۔۔۔" حنین نے تعارف کروانے کو الفاظ نکالے ہی تھے کہ وہ اسے نظر انداز کر کے گہری سرد نظروں سے علیشا کو دیکھتا، قریب آتے ہوئے بولا۔

"دوبارہ مل کر خوشی ہوئی علیشا!"

علیشا کی خواب سے ساکت آنکھوں میں حرکت ہوئی۔ وہ جلدی سے حنین کی طرف گھومی۔ "حنہ! کیا تم اکیلے میں میری بات سن سکتی ہو؟"

"کیوں۔ مجھ سے کیا مسئلہ ہے؟ آخر ہم ایک فیملی ہیں علیشا!" وہ سرد مسکراہٹ سے کہتا، حنین کے الجھے الجھے چہرے کے تاثرات بغور نوٹ کر رہا تھا۔

"حنہ، پلیز! میری بات سن لو پہلے۔" وہ بے چینی سے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے وہاں سے دور لے جانے لگی، مگر حنین اپنی جگہ سے نہ ہلی۔ بس تعجب سے ان دونوں کو باری باری دیکھا۔

"فیملی؟"

"ہاں حنین! علیشا میرے والد کی غیر قانونی امریکی بیٹی ہے۔ اسی لیے تو وہ تمہیں جانتی ہے اور تمہاری اتنی اچھی دوست ہے۔ ابھی اس دن جب علیشا مجھے اور میرے باپ کو دھمکی دینے ہمارے آفس آئی تھی، تب ہی تو اس نے مجھے بتایا تھا کہ کس طرح اس نے تمہارا اکاؤنٹ ہیک کیا تھا۔۔۔ اوہ سوری۔۔۔ شاید یہ بات علیشا نے تمہیں نہیں بتائی تھی۔" آخر میں افسوس سے اضافہ کیا۔ وہ جو ابھی تک الجھی الجھی سی کھڑی تھی، لفظ ہیک پہ کرنٹ کھا کر پیچھے ہٹی۔ بے یقینی سے علیشا کو دیکھا۔ جانے کب ہاتھ سے ہاتھ چھوٹا۔

"اصل میں علیشا میرے ڈیڈ کے بارے میں کافی حساس ہے۔ چونکہ ڈیڈ اس سے مخاطب تک ہونا پسند نہیں کرتے، تو یہ ہر اس شخص کے پیچھے پڑ جاتی ہے، جس سے وہ بات کرتے ہوں جیسے کہ تم حنین!"

"ہاشم 'پلیز!" وہ نم ہوتی آنکھوں سے منت کرنے لگی۔ ہاشم کے چہرے کی تختی بڑھی 'مسکراہٹ غائب ہوئی۔

"کیوں۔ کیا یہ جھوٹ ہے؟ کیا تم ہیکر نہیں ہو؟ کیا تم نے میرے ڈیڈ کا اکاؤنٹ ہیک نہیں کر رکھا تھا؟ کیا تم نے ان کی اور حنین کی میلز پڑھ کر حنین کا اکاؤنٹ بھی ہیک نہیں کیا تھا؟ کیا تم نے حنین کی توجہ لینے کے لیے وہ گیم نہیں کھیلنی شروع کر دی 'جو یہ کھیلتی تھی؟"

"ہاشم! بس کر دو۔" اس کی آنکھوں سے آنسو گرنے لگے۔ بے اختیار حنہ کو دیکھا 'جو پھٹی پھٹی نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ ارد گرد گزرتے لوگ اس وقت ان تینوں کو نظر نہیں آرہے تھے۔

"حنین! میں نے یہ سب صرف یہ دیکھنے کے لیے کیا تھا کہ تم کون ہو 'ورنہ اس کے بعد ہم واقعی دوست تھے۔ یہ حقیقت ہے مگر میں نے تمہیں کبھی نقصان نہیں پہنچایا۔"

"تم نے میرے باپ کے لیے میرے خاندان کی بچی کو ٹارگٹ کیا اور پھر بھی تم میں اتنے گٹس ہیں علیشا! کہ یہ کہہ سکو کہ تم نے کچھ غلط نہیں کیا۔"

مگر وہ صرف حنین کو دیکھ رہی تھی۔ خوفزدہ 'نم آنکھوں سے۔

"حنہ! میں تمہیں سب بتانے والی تھی۔ پلیز 'وہ سب رئیل تھا۔ وہ گھنٹوں کی باتیں 'وہ ڈرامے ڈسکس کرنا 'وہ گیمز 'وہ سب رئیل تھا۔"

"تم یہ کہہ رہی ہو کہ تم نے میری فیملی کی اس بچی سے میرے باپ کے بارے میں کبھی کوئی سوال نہیں پوچھا؟"

علیشا بولتے بولتے لاجواب ہو گئی۔ حنین یک ٹک اسے دیکھے جا رہی تھی۔ ہاشم کو اب اس کی مسلسل خاموشی سے کوفت ہو رہی تھی۔ وہ نامحسوس انداز میں حنین کے ساتھ جا کھڑا ہوا۔ اب وہ دونوں ایک طرف تھے 'اور وہ لب آپس میں مس کرتی 'پریشان بھیگی آنکھوں والی علیشا دوسری طرف۔

"علیشا میرے ڈیڈ کو بلیک میل کر کے ان سے پیسے لینے آئی تھی 'اس نے تم سے دوستی بھی ڈیڈ کے بارے میں خبریں حاصل کرنے کے لیے کی تھی۔ اپنے دماغ پہ زور دو حنین! کتنی ہی دفعہ تم لوگوں نے بات بے بات ان کا ذکر کیا ہو گا 'ہے نا؟" وہ کٹیلی نگاہوں سے علیشا کو دیکھتا حنین کو بتا رہا تھا۔

مگر حنین۔ وہ بالکل چپ کھڑی تھی۔

"حنہ 'پلیز! میری نیت بری نہیں تھی۔ پلیز! میری بات سمجھنے کی کوشش کرو۔"

اور حنین کے پتھر لب ہلے۔

"اس گیم کا کیا 'علیشا؟"

"کیا؟" علیشا کے بہتے آنسو رک گئے۔

"میں پانچ ماہ تک اس جیولر والی گیم میں پہلے نمبر پہ تھی۔ ٹاپ اسکورر۔ پھر صرف دو دن میں تم پہلے نمبر پہ آ گئیں۔ تم نے یہ کیسے کیا علیشا!"

ہاشم نے بمشکل اکتاہٹ پہ قابو پایا۔ وہ کہاں سیاست 'اسکینڈلز 'بلیک میلنگ کی بات کر رہا تھا 'اور کہاں ان لڑکیوں کے دماغ سے گیمز نہیں نکلتی تھیں۔

علیشا ندامت بھرے آنسوؤں سے اسے دیکھتی رہی۔

"وہ کچھ پوچھ رہی ہے۔ جواب دو۔"

"میں نے۔" وہ رندھی ہوئی آواز میں کہنے لگی 'امید اور خوف سے ملی جلی نظریں ہنوز حنہ کے چہرے پہ تھیں۔ "میں نے کچھ چیٹ کوڈز استعمال کیے تھے اور۔"

"اوہ۔ اوہ۔ وہ۔" حنین نے ایک دم غصے سے سر جھٹکا۔ "تو تم چیٹنگ کر کے جیتتی تھیں۔ وہ علیشا! مجھے بھی معلوم تھا کہ بے ایمانی کیسی کرتی ہے 'مگر میں نے نہیں کی۔ صرف محنت کی۔ تین سال میں لگی رہی 'دوسرے سے پہلے نمبر پہ آ سکی مگر چیٹنگ نہیں کی کیونکہ میں حنین یوسف تھی۔ بھائی نے مجھے قرآن کے آخری پارہ اور پانچ بڑی سورتیں حفظ کرا رکھی تھیں 'کیونکہ میں بنی اسرائیل میں سے تھی 'آل یوسف۔ انبیا کی اولاد۔ میں نے بے ایمانی نہیں کی

اور تم۔ تم تین سال سے یہی کرتی آئیں۔" درد سے چٹختے لہجے سے کہتی، غصے سے اسے دیکھ کر نفی میں سر ہلاتی وہ قدم قدم پیچھے ہٹ رہی تھی۔ "تم نے مجھے استعمال کیا۔ ہم اتفاق سے نہیں ملے۔ سب کچھ تم نے پلان کیا۔ فارس ماموں ٹھیک کہتے تھے تمہارے بارے میں۔" وہ پیچھے ہٹتی راہداری کے قریب ہو رہی تھی۔ علیشا نے کرب سے آنکھیں بند کرلیں۔ گرم آنسو بہتے رہے۔ اعمال کے نتائج ہوتے ہیں اور بھگتنا پڑتے ہیں۔

"لوگ کہتے ہیں علیشا! کہ کوئی لڑکا کسی لڑکی کا دوست نہیں ہو سکتا۔ آج دل چاہ رہا ہے ان سے پوچھنے کا، کہ کیا کوئی لڑکی بھی کسی لڑکی کی دوست بن سکتی ہے؟" نفی میں سر ہلاتی، وہ مڑی اور تیز تیز اندر چلی گئی۔ مطمئن سے کھڑے ہاشم نے اب کے رخ پھیر کر فرصت سے علیشا کو دیکھا، جو آنکھیں بند کیے کھڑی تھی۔

"آئی ایم ریئلی سوری علیشا! لیکن اگر تم نے یہ سمجھا تھا کہ تم ہاشم کاردار کو بلیک میل کرسکتی ہو۔ تو تم غلط تھیں۔"

علیشا نے بھیگی آنکھیں کھولیں۔ دکھ سے اسے دیکھا۔

"وہ میری دوست ہے۔"

"تھی۔ اب نہیں رہی۔ آئندہ۔" انگلی اٹھا کر سختی سے تنبیہہ کرتے ہوئے بولا۔ "اگر تم نے اس سے کوئی بھی رابطہ کیا تو میں اس سے بھی زیادہ کرسکتا ہوں تمہارے ساتھ۔"

"تم شیطان ہو!" وہ نفرت سے اسے دیکھتی رہی۔ آنسو اب تھم رہے تھے۔ غصہ اس کی جگہ لے رہا تھا۔

"تھینک یو اس کامپلیمنٹ کے لیے۔ اب تم آنسو صاف کرو اور جاؤ۔ باہر نکل کر پہلی کالی گاڑی میں بیٹھ جاؤ۔ وہ تمہیں ہوٹل لے جائے گی، سامان پیک کرو اور ایرپورٹ جاؤ ورنہ تمہاری آج رات کی فلائٹ کا وقت نکل جائے گا، یہ کچھ رقم اس میں ہے، یہ رکھ لو۔" کوٹ کی اندرونی جیب سے خاکی لفافہ نکال کر بڑھایا۔ علیشا نے تنفر سے اس لفافے کو دیکھا۔

"مجھے یہ خیرات نہیں چاہیے۔ یونیورسٹی کی فیس نہیں دے سکتے تو اس کی بھی ضرورت نہیں۔"

"دراصل یہ خیرات نہیں ہے۔ یہ تمہاری ماں کے ہاسپٹل کے بلز جتنی رقم ہے۔ اوہ آئی ایم سوری! شاید آج تمہاری اپنی ماں سے بات نہیں ہوئی۔" وہ ایکدم بہت ہی ہمدردی سے بولا۔ علیشا نے چونک کر اسے دیکھا۔ وہ موبائل پہ کچھ ڈھونڈنے لگا۔

"میں نے سنا ہے کہ چند گھنٹے قبل تمہاری ماں کو کسی نیم تاریک سڑک پہ ایک کار نے ٹکر ماردی تھی۔ اتفاق سے اس گلی کے سی سی ٹی وی کیمراز خراب تھے، اور موقعے کا کوئی گواہ بھی نہیں ہے۔ بہرحال جس ہسپتال میں وہ داخل ہے، جہاں ابھی اس کی حالت خطرے سے مکمل طور پہ باہر نہیں ہے، وہاں کام کرنے والے میرے ایک دوست نے یہ مجھے بھیجا تھا۔" ساتھ ہی نرمی سے مسکراتے ہوئے موبائل اسکرین سامنے کی۔ وہ جو دم بخود سی سنتی جارہی تھی۔ تیزی سے آگے ہوئی، اسکرین پہ ہسپتال کے بستر پہ اس کی ماں تھی۔ گردن میں کالر، ایک بازو پلستر میں۔ علیشا نے بے اختیار چیخ روکنے کو منہ پہ ہاتھ رکھا۔

علیشا کے بے بس آنسو بہہ رہے تھے اور اتنی ہی نفرت سے ہاشم کو دیکھ رہی تھی۔ "میں امریکی شہری ہوں، میں ابھی اپنے سفارت خانے فون کرسکتی ہوں، اور اس سب کے بارے میں بتا سکتی ہوں۔"

"بالکل، اسی طرح کرو۔ بلکہ یہ کرنے کے لیے میرا فون استعمال کرلو۔" فوراً ہاشم نے اپنا موبائل اس کی طرف بڑھایا۔ "امریکن قونصلیٹ کی فرسٹ سیکرٹری کا نمبر میرے اسپیڈ ڈائل کے چھبیسویں نمبر پہ محفوظ ہے۔ میری بہت اچھی جان پہچان ہے اس سے۔ اوہ شاید تم بھول گئیں کہ میں، میرا بھائی، میری ماں، ہم سب بھی امریکی شہری ہیں۔ یہاں کرنے ہیں دستخط!" ساتھ ہی بہت سہولت سے کاغذ پہ اشارہ کیا۔ علیشا بے بسی سے اسے دیکھتی رہی، پھر بائیں ہاتھ کی پشت سے آنسو صاف کیے، کاغذ دیوار سے لگایا اور دستخط

کرتی گئی۔

"یاد رکھنا ہاشم! تم بھگتو گے۔ خداوند تمہیں کبھی معاف نہیں کرے گا۔"

کہہ کر وہ آنکھوں میں آنسو لیے پلٹ گئی۔ ہاشم نے قلم بند کیا' کاغذ سمیت جیب میں رکھا اور اسے دور جاتے دیکھتا رہا۔ پھر گہری سانس لی۔ چلو یہ باب تو ختم ہوا۔

☆ ☆ ☆

یہ کون لوگ ہیں جو روشنی پہ ہیں مامور
دیے بجھائے ہیں کتنے نئے جلائے نہیں

اگلی صبح ہاشم اور جواہرات' ہشاش بشاش اور خوش گوار موڈ میں باتیں کرتے ہسپتال کی راہداری میں چلتے ہوئے آرہے تھے۔ حنین نے ویٹنگ روم کے دروازے سے ان کو آتے دیکھا اور پھر واپس اندر ہو گئی۔ ہاشم نے بھی اسے دیکھ لیا تھا' جب ہی جواہرات سے کہا۔

"آپ ٹھہریں' میں آتا ہوں۔" وہ وہیں کھڑی ہو گئی اور ہاشم متلاشی نظروں سے دیکھتا آگے بڑھتا گیا' یہاں تک کہ ویٹنگ روم کے سامنے آرکا۔ اندر کرسی پہ حنین بیٹھی نظر آرہی تھی۔ گھٹنے ملائے' سر جھکا کر' ویران نظروں سے اپنے ہاتھوں کو دیکھتی' وہ بالکل شل تھی۔ علیشا پچھلی رات کی فلائٹ سے واپس جاچکی تھی اور حنین غالباً" ابھی تک شاک میں تھی۔

"حنین۔ بیٹا! آپ ٹھیک ہو۔" وہ نرمی سے پوچھتا دو قدم اندر آیا۔ حنین نے چہرہ اٹھا کر خالی خالی آنکھوں سے اسے دیکھا۔

"آئی ایم سو سوری' مجھے پہلے پتا ہوتا کہ وہ تمہاری دوست ہے تو میں تمہیں خبردار کر دیتا۔ مگر پریشان نہ ہو' وہ اب تمہیں ہرگز تنگ نہیں کرے گی۔" تسلی دیتے ہوئے وہ مزید آگے آیا۔

حنین بس اسے دیکھے گئی۔ چپ چاپ۔

"اگر وہ دوبارہ تمہیں کوئی نقصان دینے کی کوشش کرے' تب تم سب سے پہلے مجھے بتاؤ گی' میں اسے سنبھال لوں گا' اوکے بیٹا؟" وہ نرمی سے ہمدردی سے جتاتا جا رہا تھا' حنین اسی طرح اسے دیکھے گئی۔ یہاں تک کہ ہاشم چپ ہو گیا۔

تب ہی جواہرات وہاں آتی دکھائی دی۔ ہاشم نے مسکرا کر ماں کو دیکھا اور گردن پھیر کر حنین سے بولا۔

"یہ بات ہم دونوں کے درمیان رہے گی' اوکے۔"

جواہرات اب قریب آچکی تھی۔ اس نے کچھ نہیں سنا تھا۔ بس ہاشم کو سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"او' زمر انتظار کر رہی ہو گی۔"

"آپ جائیں' میں کال مل چکا ہوں۔" وہ دونوں بات کرتے کرتے باہر جانے کو پلٹے کہ

"کیا آپ کو معلوم ہے مسز کاردار! کہ آپ کے شوہر کی دوسری بیٹی کل یہاں تھی؟"

ہاشم ایک جھٹکے سے مڑا اور بے یقینی سے حنین کو دیکھا جو تیز نظروں سے اسے گھورتی اٹھ کر ان دونوں کے مقابل آکھڑی ہوئی' سینے پہ بازو لپیٹے اور تیکھے انداز میں جواہرات کو مخاطب کیا۔ "کیا آپ کو معلوم ہے کہ کل ہاشم بھائی نے اسے یہاں سے نکالا تھا۔ میں نے کھڑکی سے دیکھا تھا' وہ روتی ہوئی جا رہی تھی۔" اس نے ہاشم کی معلومات میں اضافہ کیا۔

جواہرات کے تاثرات نہیں بدلے' وہ سرد سا مسکراتی رہی۔ ہاشم نے پریشانی اور غصے سے حنین کو دیکھا اور پھر ماں کو۔

"حنین! یہ کیا طریقہ ہے میری ماں سے بات کرنے کا۔"

"مجھے سب پتا ہے۔ بچے!" جواہرات نے مسکرا کر اس کا گال تھپتھپایا' ایک کٹیلی نظر ہاشم پہ ڈالی اور باہر نکل گئی۔ وہ بے حد طیش سے اس کی طرف گھوما۔

"یہ کیا تھا؟" مگر وہ بے خوفی اور تندہی سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"اگر آپ کو بھول گیا تھا تو یاد کروا دوں ہاشم بھائی! کہ میں زمر یوسف کی بھتیجی ہوں' حنین یوسف' اور پھپھو کی طرح میں بھی معاف نہیں کرتی اور میں بالکل بھی سعدی بھائی جیسے لوگوں میں شامل نہیں ہوں جو آپ

کی اچھی لکس اور اچھے مینرز کی وجہ سے آپ سے متاثر رہتے ہیں۔ مجھے آپ پہلے بھی ناپسند تھے اور جو کل۔ آپ نے کیا' اس کے بعد تو میں آپ کو زیادہ ناپسند کرنے لگی ہوں۔"

چبا چبا کر بولتی اس کی آواز اونچی ہونے لگی۔ ہاشم غصہ ضبط کیے' لب بھینچے کھڑا رہا۔ "آپ نے مجھے استعمال کیا۔ اپنا اور علیشا کا جو بھی جھگڑا تھا' اس میں سے اپنا مقصد نکالنے کے لیے۔ آپ کو پتا تھا وہ میری دوست ہے' مگر آپ نے اس وقت نہیں بتایا' جب اسے لانے کو مجھے اندر بھیجا تھا۔ میں سعدی یوسف نہیں ہوں' جو آپ کی ہر بات کو صحیح سمجھ لوں گی۔"

پھر انگلی اٹھا کر اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے تندی سے وارننگ دی۔ "آئندہ مجھے کبھی استعمال کرنے کی کوشش کی آپ نے تو میں اس سے بھی برا کر سکتی ہوں کیونکہ مجھے اور میرے دماغ کو آپ ابھی جانتے نہیں ہیں۔"

گھور کر اسے دیکھتی وہ ساتھ سے نکل کر آگے بڑھ گئی اور ہاشم ضبط سے گہرے سانس لیتا وہیں کھڑا کھولتا رہا۔ کچھ دیر تک تو اسے یقین نہیں آیا۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ وہ شاک کے عالم میں نہیں بیٹھی تھی کیا؟ وہ غصے میں بیٹھی تھی؟

پھر تیزی سے اس نے فون نکالا۔ خاور نے پہلی گھنٹی پہ کال اٹھالی۔

"یس سر؟"

"کیا علیشا کا دوبارہ رابطہ ہوا سعدی کی بہن سے؟"

"نہیں سر! میں مانیٹر کر رہا ہوں۔ وہ علیشا کے کسی میسج کا جواب نہیں دے رہی۔"

"اوکے!" ایک تسلی بخش احساس اندر اتر آیا۔

جب وہ باہر آیا تو حنین بڑے ابا کی وہیل چیئر زمر کے کمرے سے نکال رہی تھی۔ اس نے ایک تیز نگاہ حنہ پہ ڈالی' وہ بھی جواب میں اتنی ہی شعلہ بار نظروں سے اسے گھورتی پلٹ گئی اور وہیل چیئر دور لے جانے لگی۔ ہاشم تیز تیز چلتا دوسری جانب مڑ گیا۔ اسے اب باہر گاڑی میں بیٹھ کر جواہرات کے آنے کا انتظار کرنا تھا۔

جواہرات اندر زمر کے سامنے کرسی پہ بیٹھی غصے سے کہہ رہی تھی۔

"میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ حملو ایسا کرے گا۔ میں نے تمہیں بتائے بغیر کہ تم اسے عزت نفس کا مسئلہ نہ بنالو' حملو کو آسٹریلیا میں اپنی کمپنی میں جاب بھی آفر کی۔ بس شہرد لنا پڑتا مگر تین گنا زیادہ کمالیتا اور اس نے کیا کیا۔ جس نمبر سے اسے ملوایا' اسی کی بیٹی کو پھانس لیا۔" وہ گویا ابھی تک ورطہ حیرت میں تھی۔

تکیوں سے ٹیک لگائے نیم دراز زمر بس چپ سی اسے دیکھے گئی۔

"تم کہو تو میں اس نیچر کو ابھی فارغ کیے دیتی ہوں۔ اس کو معلوم تھا کہ حملو کی شادی ہونے والی ہے' پھر بھی اس نے اپنی بیٹی کے آگے ہتھیار ڈال دیے۔ دنیا کتنی خود غرض ہے!" جواہرات نے جھرجھری لی۔

"اس کی ضرورت نہیں ہے۔ حملو نے درست فیصلہ کیا۔ اسے یہی کرنا چاہیے تھا۔" وہ ویران آنکھوں سے کھڑکی کو دیکھنے لگی۔

"مگر تم کیسے اس زیادتی پہ خاموش رہ سکتی ہو۔ وہ تمہارا منگیتر ہے' تمہیں اسٹینڈ لینا چاہیے۔"

"اس نے کچھ غلط نہیں کیا مسز کاردار! میں جانتی ہوں' میں کبھی ماں نہیں بن سکوں گی۔ میری کبھی کوئی فیملی نہیں ہو سکے گی۔ ایسے میں اس کی جگہ کوئی بھی ہوتا تو یہی کرتا۔"

کرسی پہ بیٹھی جواہرات کے چہرے پہ ہمدردی ابھری۔ دل میں درد سا جاگا۔ "آئی ایم رئیلی سوری ہر اس چیز کے لیے جو تمہارے ساتھ کی گئی۔" ہاتھ بڑھا کر اس کے پیر کو ذرا سا دبایا۔ "بس تم کسی کو بددعا نہ دینا۔ کرنے والے کو کسی بات نے مجبور کر دیا ہو گا' ورنہ اتنا ظلم کوئی بھی خوشی سے نہیں کر سکتا۔"

زمر نے آنکھیں اٹھا کر تھکان سے اسے دیکھا۔

"یہی تو سمجھنے سے قاصر ہوں' اتنے دن سے یہی تو سوچ رہی ہوں کہ فارس نے میرے ساتھ ایسا کیوں کیا؟ نہ کوئی دشمنی تھی' نہ پرانا بغض۔ میں تو اس کی ٹیچر تھی'

میرے کتنے کام کر کے دیتا تھا۔ پھر ایک دم وہ کیسے بدل گیا؟"

جواہرات کی آنکھوں میں چھائی ہمدردی غائب ہوئی۔ اس کی جگہ بے چینی نے لے لی۔ اس کے پاؤں سے ہاتھ ہٹالیا۔

"ہو سکتا ہے کوئی پرانا عناد ہو۔ کوئی رشتے وغیرہ کا چکر۔" وہ احتیاط سے لفظ لفظ ادا کر رہی تھی۔ زمر کی حمایت کسی قیمت پہ نہیں کھونی تھی۔

"ایسا کچھ بھی نہیں تھا' کبھی بھی نہیں۔" وہ ناگواری سے ترخ کر بولی۔ "وہ میرا اسٹوڈنٹ تھا' بس!"

جواہرات جلدی سے مسکرائی۔

"میں تو محض ایک خیال کا اظہار کر رہی تھی۔ عموماً" قتل تین باتوں پہ ہوتے ہیں۔ زن' زر' زمین۔ یعنی' عشق' دولت یا اپنی طاقت کا غرور۔ لیکن ہو سکتا ہے کہ وجہ وہی ہو جو وہ کہہ رہا تھا۔ اپنے پہلے قتل کو چھپانا۔"

"نہیں۔" وہ لب دانت سے کچلتی نفی میں گردن ہلانے لگی۔ "صرف یہ بات نہیں تھی۔ اس روز وہ فارس لگ ہی نہیں رہا تھا۔ اس نے کبھی ایسے مجھ سے بات نہیں کی۔ پھر ایک دم سے۔۔۔ میرے ساتھ ایسا کیوں کیا؟" وہ پلکیں سکیڑ کر کھڑکی کو دیکھتی سوچے گئی۔ پھر آنکھوں میں یاسیت ابھری۔ "کیا معلوم واقعی وہ فارس نہ ہو' کسی نے فارس بن کر مجھ سے بات کی ہو۔ شاید میں ہی۔۔۔"

جواہرات نے بے چینی سے پہلو بدلا۔ "اور اس کے فنگر پرنٹس؟ وارث کے ڈی این اے والی رسی کا اس کی کار سے ملنا؟ اس کی گن؟ ہوٹل میں اس کے نام کا کمرا۔ اس سب کی وضاحت کیسے کرو گی؟ اور شاید تم اپنے والد اور بھابھی کی باتوں کا اثر لے کر کمزور پڑ رہی ہو۔ میں سمجھ سکتی ہوں' اپنوں کے لیے انسان کو بہت کچھ کرنا پڑتا ہے۔" سمجھنے والے انداز میں جواہرات نے سر کو خم دیا۔

"میں نہ کمزور ہوں اور نہ کسی کا اثر لے رہی ہوں۔" وہ ناگواری سے تیزی سے بولی۔ "میں صرف ان کے مفروضے کو دہرا رہی تھی۔ وہ فارس ہی تھا' اس نے مجھے شوٹ کیا' میں آج بھی اپنے بیان پہ قائم ہوں۔" شانے اچکا کر وہ خفگی سے رخ موڑ گئی۔

جواہرات کے لبوں پہ مسکراہٹ ابھری' ستائش سے اسے دیکھا۔

"گڈ! تم ایک بہادر لڑکی ہو۔ تمہیں خاندان والوں کا دباؤ نہیں لینا۔ تمہیں فارس سے اپنا انتقام لینا ہے۔"

"میں پراسیکیوٹر ہوں' انصاف پہ یقین رکھتی ہوں' انتقام پہ نہیں۔ کم از کم تب تک نہیں' جب تک انصاف کی امید باقی رہے۔ میں نے بیان دینا تھا' دے دیا' اب اور کچھ نہیں کرنا مجھے۔"

جواہرات کو حیرت کا جھٹکا لگا۔ "تم۔۔۔ تم اس کو کورٹ میں پراسیکیوٹ نہیں کرو گی کیا؟"

"نہیں۔ ایک دوسرے پراسیکیوٹر اس کیس کو پلیڈ کریں گے۔"

"مگر تمہیں فارس کو اس طرح نہیں چھوڑنا چاہیے۔ اس کی وجہ سے تمہاری شادی۔۔۔"

"میں اپنی مرضی کی مالک ہوں مسز کاردار! جیسے خاندان کا دباؤ نہیں لیا' ویسے ہی آپ کا بھی نہیں لوں گی۔ آپ چاہتی ہیں' میں فارس کو سزا دلواؤں' کیونکہ اس میں آپ کا بھی فائدہ ہے' میں جانتی ہوں آپ لوگوں کے جائیداد کے مسئلے ہیں۔ دشمن کا دشمن دوست ہوتا ہے' سو ہم اب دوست ہیں۔" وہ کافی سنجیدگی سے جواہرات کو دیکھ کر کہہ رہی تھی' جو آگے سے پھیکا سا مسکرا دی۔

"اور میں آپ کی جگہ ہوتی تو یہی کرتی۔ میں سمجھ سکتی ہوں کہ آپ مجھے کیوں بار بار اس کے خلاف کارروائی پہ اکسا رہی ہیں۔ مگر میرا ایک خاندان ہے اور وہ شخص سعدی کا ماموں ہے۔ میں نے بیان دینا تھا' دے دیا۔ اب آگے عدالت جانے اور پولیس۔ فارس کا مجھ سے کوئی ذاتی جھگڑا نہیں تھا' اس نے یہ کسی اور وجہ سے کیا۔ ممکنہ طور پہ وہی جو اس نے بتائی تھی' اس لیے میں ذاتی طور پہ اس کے خلاف کچھ نہیں کروں

گی۔"

جواہرات بمشکل مسکرا پائی۔ "میں سمجھ سکتی ہوں۔ بہت سی چیزوں میں ہم ایک جیسے ہیں زمر! خیر تم نے درست فیصلہ کیا۔ اگر تم اس کے خلاف محاذ کھول لیتیں۔ تو ندرت یا اس کے بچے تمہاری شکل دیکھنے سے بھی رہ جاتے۔ مگر میں امید کرتی ہوں کہ تم اس کیس کو خود لینے سے احتراز اس وجہ سے نہیں برت رہیں کہ تم دور اندر کہیں اس کو بے گناہ سمجھتی ہو۔"

زمر لمحے بھر کو بالکل چپ سی ہو کر جواہرات کا چہرہ دیکھنے لگی۔

"کیا تم اندر سے اپنے ہی بیان پہ خود مشکوک ہو چکی ہو' مگر چونکہ خود کو غلط ماننے میں تمہاری ناک آڑے آتی ہے' سو تم اس پہ ڈٹی ہوئی ہو؟"

"ایسا نہیں ہے۔" وہ اب کے کافی مضبوطی سے بولی۔ "کبھی کبھی مجھے متضاد خیالات آتے ہیں مگر میرا یقین ان کے مقابلے میں زیادہ پختہ ہے۔ وہ فارس ہی تھا' کوئی بھی چیز مجھے اس بیان سے نہیں ہٹا سکتی۔ اپنی ناک عزیز ہے مجھے' مگر بے انصافی کی حد تک نہیں۔ اگر مجھے لگتا وہ بے گناہ ہے تو میں خاموش رہتی۔ وہ میرا اسٹوڈنٹ تھا۔ شاید اگر میرے ابا کو فالج نہ ہوا ہوتا تو میں خاموش بھی رہ جاتی' مگر اب نہیں۔"

جواہرات گہری سانس لے کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ مسکرا کر اس کے شانے پہ ایک ہاتھ رکھا' دوسرے سے اپنا بیگ اٹھایا۔ "دشمن کا دشمن دوست ہوتا ہے' سو تم مجھے ہمیشہ اپنا دوست پاؤ گی۔"

زمر نے بنا مسکرائے سر اثبات میں ہلایا۔ جواہرات بیگ کندھے پہ لٹکاتی باہر نکل گئی۔ دروازہ بند ہوا تو زمر کے تاثرات بدلے۔ سپاٹ چہرے پہ بے پناہ کرب امڈ آیا۔

اس نے مٹھی ہونٹوں پہ رکھی۔ آنکھیں بند کر کے ضبط کرنا چاہا۔ مگر آنسو امڈ امڈ آ رہے تھے۔ وہ خبر جس پہ وہ سارا وقت ضبط کر کے بیٹھی رہی تھی' وہ پھر سے طمانچے کی طرح آن لگی تھی۔

حماد کی شادی ہو رہی تھی۔ حماد کہیں اور شادی کر رہا تھا۔ یہ سہنا اتنا آسان نہیں تھا' جتنا اس نے ابھی جواہرات کے سامنے ظاہر کیا تھا۔ گردن جھکائے' ہاتھ ہونٹوں پہ دبا کر رکھے' وہ مسلسل بند آنکھوں سے آنسو روکنے کی کوشش کر رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

دروازہ بجا۔ زمر نے تیزی سے چہرہ کھڑکی کی طرف پھیر لیا' اور انگلی سے آنکھوں کے گیلے کنارے جلدی جلدی خشک کرنے لگی۔ ذرا کھنکار کر رندھی آواز کا گیلا پن دبانا چاہا اور بولی۔ "آجایئے۔"

دروازہ کھلنے کی آواز آئی۔ حنین بڑے ابا کی وہیل چیئر اندر لا رہی تھی۔ زمر رخ موڑے سائیڈ ٹیبل پہ کچھ تلاشنے لگی ساتھ بار بار پلکیں جھپک کر ان کا گلابی پن دور کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔

"کیا تم سرجری کے لیے تیار ہو؟" پشت سے ابا کی آواز آئی۔ وہ "جی" کہتی سنجیدگی سے سیدھی ہوئی۔ آنکھیں اب ہلکی گلابی تھیں۔

حنین خاموشی سے بڑے ابا کی کرسی کے عقب میں کھڑی رہی۔

"تم ٹھیک ہو جاؤ گی۔" انہوں نے نم آنکھوں سے مسکرا کر اسے تسلی دینا چاہی۔

وہ پھیکا سا مسکرائی۔ "مجھے پتا ہے۔" پھر قدرے بے چینی سے بند دروازے کو دیکھا۔ "سعدی کہاں ہے۔ اسے بھی بلا لیں۔"

بڑے ابا کی مسکراہٹ سمٹی۔ اس کی ذرا ذرا گیلی آنکھوں کو غور سے دیکھا اور پھر ان سے چھلکتی بے تابی کو۔ لب کھولے' مگر بند کر لیے۔

"وہ آجائے تو میں اس کے سامنے حنین کو بتا دوں گی کہ میں تمہارے ماموں کے خلاف کیس نہیں لڑوں گی' نہ اس کے کیس کو فالو کروں گی۔"

"بھائی انگلینڈ چلا گیا ہے' ان کا ٹیسٹ تھا ایک پھپھو!" سنجیدگی سے حنین نے بتایا۔

زمر بس اس کو دیکھ کر رہ گئی۔ بالکل یک ٹک' سانس روکے۔

"سعدی... چلا گیا؟" لفظ ٹوٹ ٹوٹ کر نکلے۔ حلق میں کچھ اٹکنے لگا۔

"ہم تو ہیں نا بیٹا! اس کی مجبوری تھی۔"

مگر وہ ہنوز ششدر سی حنین کو دیکھ رہی تھی۔

"کیا اسے میرے آپریشن کا پتا تھا؟"

(بھائی سے زیادہ کسے پتا ہوگا؟) حنین نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

زمر کے لب بھنچ گئے۔ ابرو اکٹھے کیے' وہ خفگی سے دوسری جانب دیکھنے لگی۔

"ندرت بھی آنے والی ہے' ہم سب تمہارے ساتھ ہوں گے سرجری کے دوران۔ سعدی بھی کال کرتا رہے گا۔"

کال کرنا پروا کرنے کے مترادف نہیں ہوتا' آپا۔

مگر وہ لب بھینچے' دوسری جانب دیکھتی رہی۔ حنین ناگواری سے پلٹ گئی۔ اس کا دل ہر شے سے اچاٹ ہو رہا تھا۔

وہ باہر آئی تو سعدی منتظر کھڑا تھا۔ وہ خاموشی سے اس کے ساتھ جا کھڑی ہوئی۔ دونوں کی پشت دیوار سے لگی تھی اور نظریں سامنے تھیں۔

"کیا آپ ایک دفعہ ان کو خدا حافظ کہنے بھی نہیں جا سکتے تھے؟"

"میں نے ان سے بہت بدتمیزی کی تھی' اب نہیں سامنے جاؤں گا۔ وہ میری شکل دیکھ کر دل کی بات جان لیں گی۔"

"تو پھر زبان کی بات کا یقین کیوں نہیں کرتیں؟" پھر ذرا نرمی سے بولی۔ "صرف مل ہی لیں۔" سعدی نے سر کو دائیں بائیں ہلایا۔

"اونہوں... مجھے ڈر ہے' ان کے سامنے جا کر میں رونے لگ جاؤں گا۔"

گویا حنین کا دل کسی نے دبا دیا ہو۔ اس نے بے اختیار مڑ کر سعدی کا چہرہ دیکھا۔ وہ اداسی سے سامنے دیکھ رہا تھا۔ جینز پہ آدھے آستین کی میرون شرٹ' چھوٹے کٹے بال' جو سامنے سے سیدھے اور سر کی پشت سے گھنگھریالے تھے۔ چہرے پہ چھایا ایک معصوم سا تاثر۔

"آپ انگلینڈ جانے کے بعد پہلی دفعہ آئے گھر تو ہم سب نے کہا کہ آپ بدل گئے ہیں' پہلے سے زیادہ اسمارٹ اور عقل مند۔ مگر... آپ تو آج بھی ویسے ہی ہیں۔" سعدی نے نظریں پھیر کر سوالیہ انداز میں اسے دیکھا۔

"معصوم!" وہ اداسی سے مسکرائی تو وہ بھی مسکرا دیا۔

"معصوم! کیا یہ میرا دوسرا نام ہے؟"

"پہلا کیا تھا؟"

"ہمارا سعدی!" اور وہ دونوں ہنس پڑے۔ اداس سے ماحول میں زندگی کی کوئی تال کسی نے چھیڑی تھی۔

"علیشا کا کچھ پتا چلا؟" اس سوال پہ حنین کی ہنسی تھمی۔ سر نفی میں ہلا دیا۔

"میں نے اس کی ساری میلز اور میسجز بغیر پڑھے مٹا دیے۔ ہر جگہ سے اسے بلاک کر دیا۔ اس نے مجھے دھوکا دیا ہے۔ میں دوبارہ اس سے کبھی بات نہیں کرنا چاہتی۔"

"تم نے صحیح کیا۔"

"اور آپ نے دیکھا' کس طرح وہ اپنا بیان بدل کر چلی گئی۔ اس نے میرا غصہ ماموں پہ اتار دیا۔ شاید میں اس کی کال اٹھا لیتی' مگر مجھے یہ نہ پتا چلتا کہ اس نے اپنی گواہی بدل دی ہے۔ اپنے باپ سے مسئلہ تھا تو ان تک ہی رکھتی۔ مجھے کیوں درمیان میں لائی۔" وہ سخت رنجیدہ لگ رہی تھی۔

"چلو اب تم دوبارہ ہاشم بھائی سے اس بارے میں کوئی بات نہ کرنا۔ ان کا اس سے خون کا رشتہ ہے' وہ لوگ ایک دن پھر اکٹھے ہو جائیں گے' ہم درمیان میں کیوں آئیں۔" وہ نرمی سے سمجھاتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

حنین بے دلی سے سر ہلاتی رہی۔

"اس نے کہا تھا' چھوٹیاں انتقام لینے پہ آئیں تو انہیں کوئی نہیں ہرا سکتا' مگر پھر وہ کیوں ہار گئی بھائی! اس کو بغیر پیسے دیے' ہاشم بھائی نے بھیج دیا نا واپس!"

بس ایک یہی الجھن تھی جو اسے ستا رہی تھی۔
سعدی کچھ دیر بالکل خاموش ہو کر سوچتا رہا۔ حنین منتظر تھی۔
"کیا تم سارا وقت ڈرامے دیکھتی رہتی ہو؟ یا قرآن بھی پڑھتی ہو؟ جیسے انگلینڈ جانے سے پہلے ہم اکٹھے پڑھتے تھے۔"
"کیا بھائی! پڑھتی ہوں نا۔" ایک دم بہت سستی سے کہتے ہوئے وہ ادھر ادھر دیکھنے لگی۔
"اور کیا تمہیں وہ سورتیں یاد ہیں جو ہم نے حفظ کی تھیں؟"
حنین نے ذرا سا کان کے پیچھے بال کھجائے۔
"جی... یاد ہیں میں ذرا سا دہرا کر سنا سکتی ہوں۔"
(کہیں وہ ابھی کے ابھی سن ہی نہ لے۔)
"بہت اچھا۔" سعدی نے خفگی سے اس کو دیکھا وہ ایک دم بہت معصومیت سے سر جھکائے اپنی عینک اتار کر شیشے سے کچھ صاف کرنے لگی تھی۔
"بہرحال، ہم نے ایک سورۃ حفظ کی تھی، سورۃ نمل، یاد ہے؟"
"جی، بالکل۔" عینک صاف کر کے آنکھوں پہ لگاتے ہوئے اس نے ذہن پہ زور ڈالنا چاہا کہ پہلی آیت کہاں سے شروع ہوتی تھی؟ اف... یاد کیوں نہیں آ رہا۔
"اور نمل کا مطلب کیا تھا؟"
حنین ایک دم کھل کر مسکرا دی۔ شکر بھائی نے سورۃ نہیں سنی تھی، یہ سوال تو بہت آسان تھا۔ ہسپتال کا کاریڈور ایک دم خوشگوار لگنے لگا۔
"نمل یعنی چیونٹی!" بہت اعتماد سے مسکرا کر بتایا۔
سعدی نے پہلے تعجب اور پھر خفگی سے اسے دیکھا۔ "یعنی کہ تم نے عرصے سے قرآن نہیں کھولا۔"
حنین ہکا بکا رہ گئی۔ "مگر میں نے صحیح بتایا ہے۔"
"غلط بتایا ہے۔ نمل کا مطلب چیونٹی نہیں ہوتا۔"
"تو پھر کیا ہوتا ہے؟"

"چیونٹی کو "نملۃ" کہتے ہیں۔ نمل کا مطلب ہوتا ہے "چیونٹیاں"۔"
حنین کے تنے اعصاب ڈھیلے پڑے، نروٹھے پن سے بھائی کو دیکھا "شو ہی ایک ہی بات ہوئی۔"
"اگر ایک بات ہوتی تو اللہ تعالیٰ اس سورۃ کا نام نملۃ رکھ دیتا۔ مگر نہیں... چیونٹی اور چیونٹیوں میں بہت فرق ہوتا ہے۔ دیکھو باقی جتنی بھی سورتیں ہیں، حشرات الارض کے نام کی، وہ واحد ہیں۔ العنکبوت یعنی ایک مکڑی۔ نحل یعنی ایک شہد کی مکھی۔ لیکن چیونٹیوں کی سورۃ "جمع" کے صیغے میں ہے۔ پتا ہے کیوں؟" اس نے ابھی ابھی کی سوچی گئی بات بہت پرجوش ہو کر کہی۔ وہ بہت دھیان سے سن رہی تھی، بے تابی سے بولی۔
"کیوں؟"
"کیونکہ اکیلی چیونٹی ہوتی ہی نہیں ہے۔ کبھی دیکھی ہے اکیلی چیونٹی؟ اوں ہوں۔ چیونٹیاں ہمیشہ اپنی قطار میں، اپنے خاندان کے ساتھ ہوتی ہیں۔ اکیلی ہار جاتی ہے، پیر تلے مسلی جاتی ہے اور جو اکٹھی ہوتی ہیں، وہ کبھی نہیں ہارتیں۔ علیشا اکیلی تھی اور تم نے بھی اس کی مدد نہیں کی تو وہ کیسے جیت سکتی تھی۔"
وہ خاموش ہوا تو حنین بالکل چپ سی ہو گئی۔
"اگر وہ مجھ پہ پہلے بھروسا کرتی تو میں اس کی مدد کرتی مگر اب میں اس سے لاتعلق رہنا چاہتی ہوں۔"
"تمہیں ایسے ہی کرنا چاہیے۔"
دونوں پھر سے خاموش ہو گئے۔
"مگر، میری بیسٹ فرینڈ تھی، اب وہ نہیں ہے، پھپھو نے بھی مجھے اکیلا کر دیا۔"
"چلو میں تو ہوں نا تمہارا بیسٹ فرینڈ۔" وہ نرمی سے مسکرایا تو حنین بھی مسکرا دی اور ذرا سی بھائی کے قریب کھسک آئی۔ کندھے سے کندھا ملا۔ حنہ کی چھوٹی انگلی سے اس کی چھوٹی انگلی ٹکرائی۔ ایک تحفظ کا احساس۔ کوئی نہیں ہو گا تب بھی بھائی ہو گا۔ مرتے دم تک۔ آخری سانس تک۔ بھائی ساتھ رہے گا۔

اب پھر سے راہداری میں سے لوگ گزرتے جا رہے تھے اور وہ دونوں دیوار سے ٹیک لگائے خاموش کھڑے تھے۔

✿ ✿ ✿

اتار لیتے ہیں دنیا کو یوں تو شیشے میں
اکیلے ہوں تو آئینے سے ڈرتے ہیں

جواہرات کار میں پچھلی سیٹ پہ آکر بیٹھی تو ہاشم ساتھ براجمان اس کا انتظار کر رہا تھا۔ اس کا دروازہ بند کر کے ڈرائیور باہر ہی کھڑا رہا۔ جواہرات نے سوالیہ نگاہوں سے ہاشم کا چہرہ دیکھا جو آنکھوں میں ڈھیروں فکر مندی لیے اسے دیکھ رہا تھا۔

"اس کو جانے کا کہو ہاشم!"

"ممی... آئی ایم سوری!" اس نے جواہرات کے گھٹنے پہ رکھے انگوٹھیوں سے مزین ہاتھ پہ اپنا ہاتھ رکھا۔

"میں اس بارے میں بات نہیں کرنا چاہتی۔" وہ سامنے دیکھتے ہوئے آنکھوں پہ سیاہ گلاسز لگا رہی تھی۔

"ہم بہت دفعہ یہ بات کر چکے ہیں مگر تم آج بھی اپنے باپ کے گناہ مجھ سے چھپانے کی کوشش کرتے ہو، حالانکہ تم جانتے ہو کہ مجھے اس کی بیٹی کے بارے میں سب علم ہے۔"

"ممی... آئی ایم سوری!" اس کا دایاں ہاتھ ہنوز جواہرات کے گھٹنے پہ ہاتھ پہ تھا۔

"اور اس لڑکی کی اتنی ہمت ہو گئی کہ وہ میرے شہر، میرے گھر پہنچ جائے مگر تم نے مجھے خبردار تک نہیں کیا۔ میں کیا کرتی؟ تماشا یا واویلا؟ کیا پہلے کبھی کیا؟ ہونہہ۔" تلخی سے اس نے سر جھٹکا۔ "تمہارے باپ کو تو یہ بھی معلوم نہیں کہ میں اس کی بیٹی کے بارے میں جانتی ہوں۔"

"ممی... آئی ایم سوری!" وہ مسلسل نگاہیں اس پہ جمائے نرمی سے کہہ رہا تھا۔

"مجھے ہاشم! اس لڑکی یا اس کے کسی مسئلے سے فرق نہیں پڑتا میں عمر کے اس حصے سے نکل چکی ہوں جب فرق پڑا کرتا ہے۔ مجھے کوئی پروا نہیں اگر وہ تمہارے باپ کا کاروبار یا عزت کے لیے خطرہ نہیں ہے تو۔۔۔ اگر ہوئی بھی تو تم سنبھال لو گے۔"

"ممی... آئی ایم سوری!" وہ زیادہ نرمی اور زیادہ آہستہ سے بولا۔

جواہرات نے ایک ہاتھ سے گلاسز اوپر سر پہ چڑھائے اور آنکھیں گھما کر اسے خفگی اور دکھ کے ملے جلے تاثر سے دیکھا۔

"تم نے مجھے کیوں نہیں بتایا کہ وہ ادھر آئی ہے۔ مجھے بے خبر کیوں رکھا۔ شاید میں جانتی ہوں کیوں۔ تم مجھے ہرٹ نہیں کرنا چاہتے تھے۔" کہتے ہوئے آنکھوں میں کرب کی سرخی ابھری۔

"ممی... آئی ایم سوری!" اس نے ذرا سا اس کا ہاتھ دبایا۔ جواہرات نم آنکھوں سے مسکرا دی اور دایاں ہاتھ ہاشم کے ہاتھ پہ رکھ دیا۔ آنکھوں کی خفگی، نرمی میں ڈھل گئی۔

"اٹس اوکے... میں تم سے کبھی خفا نہیں ہو سکتی۔"

وہ بھی مسکرا دیا پھر پیچھے ہوا۔ ڈرائیور کو واپس آنے کا اشارہ کیا۔

"مجھے واقعی اس لڑکی سے فرق نہیں پڑتا۔ اس وقت تو صرف یہی خیال دل کاٹتا ہے کہ ہم دونوں نے زمر کی زندگی برباد کر دی۔"

"مجھے اس کا افسوس ہے۔ مجبوری نہ ہوتی تو میں ایسا کبھی نہ کرتا۔" اس کے چہرے پہ ایک دم ابھر کر آتی تکلیف کو ضبط سے چھپا کر سیل فون نکالنے لگا۔

"مجھے ہر رات سونے سے پہلے زمر کا خیال آتا ہے۔ وہ اس سب کی مستحق نہیں تھی ہاشم!"

"خیر اگر آپ کبھی عدالت میں اس کے مقابلے پہ ڈیفنس اٹارنی کے طور پہ پیش ہوتیں تو اپنی اس رائے پہ نظر ثانی ضرور کر لیتیں۔" وہ بظاہر بشاشت سے کہتا مسکرا دیا۔ ڈرائیور دروازہ کھول رہا تھا۔ جواہرات نے گلاسز پھر سے آنکھوں پہ گرائے اور پرسکون سی ہو کر ٹیک لگا لی۔

اب ساری دنیا اپنی مرضی کے رنگ میں نظر آرہی تھی۔

☼ ☼ ☼

ظلم پرستی ہوئی دکھ سے مگر دبائی ہوئی
ایسی آنکھوں ہی سے طوفان اٹھا کرتے ہیں
(دوسلونعد)

بڑے ابا کے لاؤنج کم ڈائننگ روم میں دوپہر کے کھانے کی خوشبو پھیلی تھی۔ صداقت جو موجودہ دن سے چار سال قبل کافی دبلا پتلا اور کم عمر سا لگتا تھا' تازہ روٹی لاکر ہاٹ پاٹ میں رکھ رہا تھا۔ سربراہی کرسی کی جگہ بڑے ابا وہیل چیئر پہ براجمان تھے' اور گاہے بگاہے دائیں ہاتھ پر پہلی کرسی پہ سر جھکا کر لقمے توڑتی زمر کو دیکھتے تھے۔ کچھ کہنے کے لیے لب کھولتے' پھر خاموش ہو جاتے۔ اس کے آپریشن کو دو ماہ بیت چکے تھے اور اس کی رنگت تب سے اتنی ہی زرد رہتی تھی۔

دفعتاً" میز پہ رکھا زمر کا موبائل تھرتھرایا۔ اس نے آہستہ سے' سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ "سعدی انگلینڈ کالنگ" لکھا آرہا تھا۔ بڑے ابا نے اسکرین نہیں پڑھی' اس کا چہرہ پڑھا' اور کالر آئی ڈی جان لی۔ وہ بے تاثر نگاہوں سے موبائل کو دیکھتی رہی اور پھر دوبارہ لقمے توڑنے لگی۔ ان کو بے چینی ہوئی۔

"فون بج رہا ہے۔"

"میں کھانا کھارہی ہوں۔" لقمہ منہ میں رکھ کر سر جھکائے اگلا توڑنے لگی۔ فون خاموش ہو گیا۔ ذرا سا وقفہ اور پھر بجنے لگا۔ زمر نے پانی کا گھونٹ بھرا اور موبائل اٹھا کر کان سے لگا لیا۔ "ہیلو؟"

"السلام علیکم زمر۔" وہ رکا۔ منہ میں کچھ ہونے کے باعث' آواز ذرا فرق لگی تھی۔ "زمر بول رہی ہیں نا؟"

"جی' زمر پھپھو بول رہی ہوں۔" سنجیدگی سے کہتی فون کان سے لگائے' وہ پانی گھونٹ گھونٹ پی رہی تھی۔ بھوری آنکھیں میز پہ رکھے گلدان پہ جمی تھیں۔ چہرہ زرد اور نقاہت زدہ لگتا تھا۔ بڑے ابا بس بے چینی سے اس کو دیکھے گئے۔

"او اوکے۔ کیسی ہیں آپ زمر؟" وہ صبح سویرے کی نیلے اندھیرے میں ڈوبی سڑک پہ واک کرتے ہوئے' موبائل کان سے لگائے' کلائی لگائے اور اشتیاق سے پوچھ رہا تھا۔

"ٹھیک ہوں۔ تم کیسے ہو؟"

"میں۔۔۔ بالکل ٹھیک۔ آپ کا درد کیسا ہے؟" وہ سڑک کنارے ایک جگہ کھڑا ہو گیا۔ کمر پہ ہاتھ رکھ کر کچھ محسوس کرنا چاہا۔

"درد نہیں ہے' یا پھر اب احساس نہیں ہوتا۔" وہ گلاس رکھ کر روٹی کا نوالہ توڑنے لگی۔

"نہیں' اتنی جلدی تو درد ختم نہیں ہوتا۔" وہ بے اختیار بول اٹھا۔ "ابھی تو کچھ وقت مزید لگے گا تاکہ زخم بھرنے میں۔ بہت سے کام آپ نہیں کر سکتی ہوں گی۔" سامنے تیز تیز بھاگ کر جاگنگ کرتے ایک لڑکے کو دیکھ کر وہ بے خود سا بولا۔

"ہوں۔"

"اور۔۔۔ آپ۔۔۔ کیسی ہیں؟" اس کے سرد خشک رویے پہ وہ بس اتنا پوچھ سکا۔

"پہلے جیسی ہوں۔ ابھی کھانا کھا رہی تھی۔"

"اوہ ہاں' آپ کی تو دوپہر ہو گی۔ بڑے ابا جلدی کھانا کھا لیتے ہیں نا۔" وہ خفیف سا ہنسا۔ زمر خاموشی سے نوالہ منہ میں رکھ رہی تھی۔ سعدی چپ ہو گیا۔ پھر دوبارہ کوشش کی۔

"میں۔۔۔ آج ہائیک پہ جارہا تھا دوست کے ساتھ۔۔۔ کچھ چاہیے آپ کو؟"

"صرف سکون۔ اور وہ ادھر سے نہیں ملتا۔"

وہ پھر چپ ہو گیا' سر جھکا گیا۔ آہستہ سے بولا۔ "چلیں آپ کھانا کھائیں' میں فون رکھتا ہوں زمر۔" قدرے وقفے سے اضافہ کیا "زمر پھپھو!" تب احساس ہوا کہ بات کے آغاز میں اس نے کیوں یاد کرایا تھا۔ اکیس سال "زمر" رہی' اب وہ پھپھو بن گئی تھی۔ بھتیجے نے فون بند کر دیا۔ زمر نے بھی موبائل میز پہ رکھ دیا۔

"اس سے کیوں ناراض ہو؟" وہ غور سے اسے

دیکھنے لگے۔

"میں اس سے ناراض نہیں ہوں۔ وہ میرا بچہ ہے، بچوں سے کون مقابلہ کرتا ہے؟"

"پھر اس کو یہ کیوں کہا کہ زمر پھپھو بول رہی ہوں؟"

"او کے۔ آپ ہمارا کھانا خراب کرنا چاہتے ہیں تو ایسے ہی سہی۔" پلیٹ پرے ہٹائی اور سر اٹھا کر سنجیدگی سے ان کو دیکھا۔ "وہ اس وقت کہاں تھا جب میں بیمار تھی۔ میرا آپریشن تھا ابا! حملو نے منگنی توڑ دی تھی۔ ایک اجنبی عورت مجھے گردہ تک دے سکتی ہے، مگر وہ سعدی، جس کو میں نے انگلی پکڑ کر چلنا سکھایا تھا، وہ ایک دن بھی میرے لیے نہیں رک سکا۔ وہ میرے پاس کیوں نہیں تھا اس وقت، جب مجھے اس کی ضرورت تھی؟"

"یہ تب کیوں نہیں کہا جب اس نے فون کیا تھا؟" اس نے گہری سانس لے کر سر جھٹکا۔ بولی کچھ نہیں۔

"تمہیں اصل غصہ اس بات پہ ہے کہ سعدی نے تمہارے مقابلے میں فارس کا یقین کیا۔" اور اس نام پہ اس کی آنکھوں میں سرخی اتر گئی۔

"اگر آپ بھول گئے ہیں تو میں آپ کو یاد کروا دوں کہ فارس کا نام میرے سامنے مت لیا کریں۔ اس نے مجھ پہ گولی چلائی، اس نے میری زندگی برباد کر دی اور اب بھی وہ آپ سب کو معصوم لگتا ہے۔" زور سے نیپکن پرے ہٹایا۔

"تو پھر تم اس کے خلاف کیس خود کیوں نہیں لیتیں۔ اگر اتنا یقین ہے تمہیں اس کے مجرم ہونے کا؟"

"کیونکہ میں تکلیف میں ہوں اور میں اس تکلیف کو بڑھانا نہیں چاہتی۔ بیان دے دیا، گواہی بھی دوں گی، مگر آگے سرکار جانے اور فارس غازی۔" تلخی سے، گویا جلے دل سے کہتی اس نے آخر میں بہت دکھ سے ابا کو دیکھا۔ "اور کیونکہ میں اچھی طرح سمجھتی ہوں کہ ندرت بھابھی کیوں آپریشن کے دن سے آج تک مجھ سے ملنے نہیں آئیں۔ مجھے بار بار جھوٹا کہلوائے جانے کا شوق نہیں ہے۔"

موبائل اور پرس اٹھایا اور پھر وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"بابا جی ساری عمر کہتے رہے کہ وہ نہیں رکھتا تعلق تو میں کیوں رکھوں، سوچ سوچ کر ایک دن ہم تنہا ہو جائیں گے۔"

"میں تنہا ہو چکی ہوں۔ تھینک یو ابا!" کاغذات سمیٹے، پرس کندھے پہ لٹکایا اور کرسی پیچھے دھکیلی۔ انہوں نے قدرے حیرت سے اسے دیکھا۔

"اب کہاں جا رہی ہو؟"

"سعدی کی فیس جمع کروانی ہے۔"

اور وہ ایک دم لاجواب سے ہو کر اسے دیکھنے لگے۔

"مگر۔۔۔ تم تو اس پہ غصہ تھیں، زمر!"

"کیا مطلب؟ ہاں، مجھے اس پہ غصہ ہے، لیکن آپ نے کیا سمجھا تھا؟ میں اس کی فیس جمع کروانا چھوڑ دوں گی۔ او ابا!" کراہ کر ناگواری سے ان کو دیکھا۔ "وہ بچہ ہے، میں نہیں۔" اور چیزیں لیے باہر نکل گئی۔ بڑے ابا نے ایک نظر ادھورے کھانے پہ ڈالی۔ یہ اگلے چار سال تک کے، اکثر ادھورے رہ جانے والے کھانوں کا آغاز تھا۔ گاڑی میں بیٹھنے تک اس نے ایک دو مزید کالز سنیں جو آفس سے تھیں۔

اس کے بعد وہ ڈرائیونگ سیٹ پہ بیٹھی۔ لب کاٹتے ہوئے پرسوچ نظروں سے سامنے دیکھتی رہی۔ چہرے پہ الجھن تھی۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے ہاشم کو کیسے ملیں میرے گواہ کی معلومات؟" اچنبھے سے وہ بڑبڑائی۔ کچھ دیر بیٹھی سوچتی رہی، پھر ایک دم چونکی۔ بے اختیار موبائل کو دیکھا۔ چہرے پہ تعجب ابھرا۔ پھر غصہ۔

ہاشم کا نمبر ملا کر فون کان سے لگایا۔ لب سختی سے بھینچ رکھے تھے۔

"ہیلو میڈم پراسیکیوٹر! مجھے کیسے یاد کیا اتنے دنوں بعد؟" وہ ہمیشہ کی طرح خوشگوار سا بولا تھا۔

"بہت مبارک ہو۔ آپ نے نعمان اکرم بنام افضل کاٹھیاواری کو، یعنی میرے کیس کو خراب کر دیا ہاشم!"

"اوکے لو' میں نے کیا کیا ہے؟"

"میری سرجری سے پہلے آپ نے مجھ سے میرا فون لیا تھا' فارس کی کال ریکارڈز وغیرہ کے لیے' مگر درحقیقت آپ نے اس میں سے میرے گواہ کا نمبر اور پتا نکالا' اسے ٹریس کیا' اس کا پیسے یا فیورز دے کر منہ بند کروایا اور گواہی بدلوادی۔ تھینک یو سو مچ ہاشم!" ضبط کرتے کرتے بھی آواز بلند ہو گئی۔

"آپ کو لگتا ہے کہ آپ اندر آپریشن ٹیبل پہ زندگی اور موت کی کشمکش میں ہوں گی اور میں باہر آپ کے فون کا غلط استعمال کر رہا ہوں گا؟"

"آپ کہہ رہے ہیں کہ آپ نے میرے فون سے اس کا نمبر نہیں لیا؟"

"نہیں۔ میں کہہ رہا ہوں کہ میں نے ڈاکٹرز کے باہر آجانے اور آپریشن کی کامیابی کی اطلاع ملنے تک آپ کا فون کھولا بھی نہیں تھا۔ ہاں' جب آپ کو ہوش آ گیا' تب لیا تھا میں نے نمبر۔" وہ مزے سے بولا تھا۔

"تو! آپ کی انسانی ہمدردی!" تھک کر گہری سانس لی۔ "اور جب آپ نے مجھے کہا تھا کہ آپ کو میری بات پہ یقین ہے تو مجھے لگا کہ آپ بدل گئے ہیں' مگر نہیں' آپ آج بھی ویسے ہی ہیں۔"

"آپ کو کیس کے دونوں پہلوؤں پر نظر ڈالنی چاہیے۔"

"شاید آپ بھول رہے ہیں کہ میں اس کیس کی وکیل نہیں ہوں۔ نہ پراسیکیوٹر' نہ ڈیفینڈر۔ میں اس کیس کی Victim ہوں اور وکٹم کے لیے کوئی دوسری سائیڈ نہیں ہوتی۔"

"اوکے' لیکن ایک دفعہ اس کی بات سننے میں کیا حرج ہے؟" وہ نرمی سے سمجھانے لگے۔ زمر نے بات کاٹ دی۔

"میں ضرور سنتی' اگر وہ کہتا کہ کسی نے اس سے گن پوائنٹ پہ کال کروائی ہے' تب میں اس کو بے گناہ بھی تصور کر لیتی' مگر جب وہ سرے سے ہر چیز سے انکاری ہے' جب وہ مجھے جھوٹا کہہ رہا ہے تو میں کیوں سنوں؟"

"مگر ایک وکیل کی حیثیت سے۔"

"کیا وکیل وکیل کی رٹ لگا رہے ہیں آپ؟ جب ایک وکیل کی حیثیت سے اس کی منت کی تھی کہ اس کا کیس لڑوں گی اور وہ مجھے نہ مارے' تب اس نے سنی تھی میری بات۔ آئندہ مجھے فون مت کیجیے گا۔" اور کھٹ سے کال کاٹ دی۔

☆ ☆ ☆

"سو تو ہوں۔ سی یو ان کورٹ۔ تب تک آپ کوئی نیا گواہ تیار کریں۔" محظوظ سا کہتے ہوئے اس نے کال بند کی اور زمر نے "اُف" کر کے جھرجھری لی۔ ابھی فون رکھا ہی تھا کہ وہ دوبارہ بج اٹھا۔ نمبر دیکھ کر زمر کے ابرو تن گئے۔ ناگواری سے اس نے کال اٹھائی۔

"میڈم! آپ سے ایک۔"

"میرا جواب ناں میں ہے۔ اپنے کلائنٹ فارس غازی سے کہیے کہ بار بار مجھ سے ملاقات کے لیے اصرار نہ کیا کرے۔"

"آپ صرف ایک دفعہ اس سے مل کر تسلی سے اس کی بات سن لیں۔ اس کا پوائنٹ آف ویو بھی تو جاننے کی کوشش کریں۔ ایک وکیل کی حیثیت سے بے

قفس اداس ہے یارو صبا سے کچھ تو کہو
کہیں تو بہر خدا آج ذکر یار چلے

جیل کے اس کمرے میں بچھی میز کے ایک طرف فارس تھا اور دوسری جانب حسین اور ندرت۔ وہ خاموشی سے بیٹھا تھا۔ پہلے والا تنتنا' اکڑ' غصہ سب ندارد تھا۔ اس کے برعکس کلائی ڈھیلا لگ رہا تھا۔

"یہاں مت آیا کریں' وہ بھی حنہ کو لے کر۔ کتنی دفعہ بتاؤں' یہ کوئی ماحول ہے آنے والا؟" اس نے خفگی سے ندرت کو مخاطب کیا مگر انداز میں تکان تھی۔

"سعدی واپس جا چکا ہے۔ شوہر میرا مر چکا ہے' ایک بھائی قتل ہو چکا ہے' ایک ... اور کیا کروں؟" ندرت روہانسی ہو گئیں۔

"امی! آپ یہ میلوڈراما کافی دیر سے کر رہی ہیں اب بس کردیں۔" وہ چڑ کر بولی تو دونوں نے بے اختیار اسے دیکھا۔

"اتنی دیر سے سن رہی ہوں میں یہ باتیں۔ بس کریں آپ دونوں۔ اور امی! کرلیں نا آپ نے جو باتیں کرنی تھیں۔ اب باہر انتظار کریں۔ مجھے ماموں سے اکیلے میں بات کرنی ہے۔"

"تمیز نام کی چیز میری اولاد کو چھو کر نہیں گزری 'تم گھر پہنچو' میں بتاتی ہوں۔" آنکھ کا کنارا صاف کرتی ندرت اس کو سخت سست سنا کر چلی گئیں تو وہ اتر لیے بنا سنجیدگی سے فارس کی طرف گھومی۔ دوپٹا سر پہ لیے عینک لگائے' وہ خفا نظر آرہی تھی۔

"کیا آپ کی پھپھو سے بات ہوئی؟"

"نہیں۔ وہ ملنا نہیں چاہتیں۔" وہ میز پر رکھے اپنے ہاتھوں کو دیکھنے لگا۔ حنین اس کو دیکھتی رہی' یہاں تک کہ ایک پرانا منظر آنکھوں کے سامنے سے گزرا۔

چھوٹی' حنین خفا اور خاموش سی باغیچے کے کونے میں بیٹھی تھی اور فارس اس کے سامنے پنجوں کے بل بیٹھا پوچھ رہا تھا۔

"اور پھر امی نے تمہیں ڈانٹا؟"

"صرف ڈانٹا؟ وہ تب سے مجھے ڈانٹ رہی ہیں' جب سے میں نے گملا توڑا ہے۔ میرا دل کررہا ہے میں مرجاؤں۔" (اس عمر میں اسے مرنے کی بڑی فینٹسی ہوتی تھی۔)

"اور؟"

"اور کیا؟"

"اور کیا دل چاہ رہا ہے تمہارا؟"

"یہی کہ میں جنت میں چلی جاؤں' وہاں میرے پاس بڑا سا گھر ہو۔"

"اور؟" وہ نرمی سے پوچھتا جا رہا تھا اور وہ بتاتی جا رہی تھی۔

"کیا دیکھ رہی ہو؟" اس کی آواز پہ حنہ چونکی۔ وہ تکان سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"کیوں نہیں کہتے وہ جو کہنا چاہتے ہیں؟ کب تک اپنی فیلنگز اور سوچ کو اندر دبا کر رکھیں گے؟ آپ کو پھپھو پہ غصہ ہے' نا تو کہہ دیں۔ جو بھی اندر ہے نکال دیں۔"

"ہاں۔ مجھے غصہ ہے' اس پر۔ اس نے ایک دفعہ بھی نہیں سوچا کہ... کہ میں۔" تلخی سے کہتے کہتے وہ رکا۔

"کہ میں؟"

"کہ میں کس تکلیف میں ہوں۔ جو مری ہے' وہ میری بیوی تھی اور مجھے بہت پیاری تھی۔ بجائے اس کے کہ وہ میرے ساتھ کھڑی ہوتی اور میری بیوی کے قاتلوں تک پہنچنے میں میری مدد کرتی' وہ مجھ پہ الزام لگا رہی ہے۔ ہونہہ۔" مٹھیاں بھینچ کر کہتے اس نے سر جھٹکا۔

"اور؟"

"اور تمہیں پتا ہے جیل کیسی ہوتی ہے؟ تاریک اور خالی۔"

"اور؟" وہ سکون سے پوچھے گئی۔ فارس نے گہری سانس لی اور پھر سے اپنے ہاتھوں کو دیکھنے لگا۔

"اور جب رات ہوتی ہے اور بتیاں بجھادی جاتی ہیں' میں تب بھی ان سلاخوں کے ساتھ بیٹھ جاتا ہوں' اس حصے میں جہاں روشنی کی کرن صبح سب سے پہلے گرتی ہو۔ اس اندھیرے میں سب سے زیادہ زرتاشہ یاد آتی ہے۔ اس کو اندھیرے سے ڈر لگتا تھا۔ وہ رات کو سوتے وقت بھی ڈریسنگ روم اور ٹیرس کی بتیاں جلا دیتی تھی۔" کہتے ہوئے وہ رکا۔ اب اس کا سر جھکا تھا' اور کہنیاں میز پہ رکھی تھیں۔ دونوں ہاتھوں سے پیشانی مسل رہا۔ حنین بس اسے دیکھے گئی۔

"اور؟" اس نے سر اٹھایا۔ تھکاوٹ سے چور آنکھوں سے بائیں جانب دیوار کو دیکھنے لگا۔ کچھ یاد آیا' چہرے پہ اداس سی مسکراہٹ ابھری۔ حنین نے عرصے بعد فارس کو مسکراتے دیکھا تھا۔

"وہ بہت پیاری تھی۔ حنہ! جب شادی ہوئی' مجھے پسند نہیں تھی وہ۔ امیچور اور بے وقوف لگتی تھی۔ مگر ایک دفعہ میں بیمار ہوا تو وہ فجر تک جاگتی رہی۔ ہاں' تب

اس نے اس رات بجھا دی۔ ساری بتیاں۔ کہیں میں ڈسٹرب نہ ہوں۔ اس دن سے وہ مجھے اچھی لگنے لگی تھی۔ حنین! جب پولیس مجھ سے پوچھ گچھ کرنے آ رہی تھی' تب بھی وہ میرے ساتھ تھی۔ اسے یقین تھا میں نے کچھ غلط نہیں کیا۔"

"اور؟"

"اور میں زمر سے مل کر اس سے یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ زرتاشہ کو وہاں کس نے بلایا تھا؟ اور یہ کہ اس نے آخری باتیں کیا کہی تھیں؟ ریسٹورنٹ والے کہتے ہیں' وہ دونوں کافی دیر وہاں بیٹھی باتیں کرتی رہی تھیں۔ سی سی ٹی وی فوٹیج میں صرف اس لیے نکلوانا چاہتا تھا کہ دیکھ سکوں' وہ ناراض تو نہیں لگ رہی تھی۔ میں کال پہ اس سے ٹھیک سے بات نہیں کر سکا تھا' مگر۔۔۔" اس نے تلخی سے سر جھٹکا۔ "مگر ہر وہ فوٹیج جو میرے لیے ضروری تھی' وہ غائب ہے۔"

"نہ صرف ریسٹورنٹ کی فوٹیج' بلکہ وارث ماموں کے قتل کی رات ہوٹل انٹری اور ایگزٹ کی فوٹیجز بھی غائب ہیں۔ فائرنگ والے دن اتفاق سے اسی فلور کے کیمرے خراب تھے' کمرا بھی آپ کے نام تھا' جو ریسپشنسٹ اس وقت ڈیسک پہ تھی' جب اس کمرے کی چابی لی گئی' وہ بھی غائب ہے۔ آپ کو بری طرح پھنسایا گیا ہے ماموں! اس سب میں۔" وہ ہتھیلیوں پہ چہرہ گرائے اداسی سے کہہ رہی تھی۔

"مگر زمر ان تمام واقعات کو کیوں نہیں دیکھتیں؟ کیوں میری بات نہیں سنتیں کہ مجھے اس میں پھنسایا جا رہا ہے۔"

"وہ کہتی ہیں' ایک انٹیلی جنس آفیسر کو کون ٹریپ کر سکتا ہے؟"

"کیسے نہیں ٹریپ کر سکتا؟ یہ ہاشم کا سیکیورٹی آفیسر خاور' یہ بھی پہلے ایک ایجنسی میں تھا' پھر کسی ناکردہ جرم کی پاداش میں نکالا گیا۔ ہاشم نے اس کا کیس لڑا اور اس کو بری کروا کر اپنے پاس رکھ لیا۔"

چند لمحے خاموشی چھائی رہی۔ وہ کافی دیر سے بول رہا تھا' اس لیے اب تھک چکا تھا۔

"آپ کے ایجنسی کے دوست سینئرز... کوئی نہیں ہے جو ہماری مدد کر سکے؟"

"حنین! یہ ایجنسیاں تب تک ساتھ دیتی ہیں، جب تک آپ ان میں شامل ہیں۔ جب نکال دیے جاؤ تو سب ختم۔"

"مگر آپ کا کون دشمن ہو سکتا ہے؟ کسی پہ تو شک ہو گا آپ کو۔"

"دشمن تو بہت ہیں۔ کتنے کیسز دیکھے، یاد بھی نہیں۔ مگر یہ میرے دشمن نے نہیں کیا۔ یہ وارث کے قتل کو کور کرنے کے لیے کیا گیا ہے۔ اور..." وہ کہتے کہتے رک گیا۔ آنکھوں میں چبھن سی ابھری۔

"اور؟" حنین نے بغور اس کو دیکھا۔

"مجھے ہاشم پہ شک ہے۔"

"اوہ..." حنہ گہری سانس لے کر پیچھے ہوئی۔

"مجھے معلوم ہے جو آپ نے بھائی سے کہا اور ہاشم بھائی نے سن لیا، وغیرہ وغیرہ۔ ویسے آئیڈیا برا نہیں ہے۔ آپ کی جگہ یہاں ہاشم بھائی کو دیکھ کر مجھے بہت خوشی ہوتی۔" اس نے مسکرا کر آنکھیں بند کر کے جیسے مزا لیا۔ "مگر ابھی آپ نے کہا کہ یہ سب کرنے والا آپ کا نہیں، وارث ماموں کا دشمن ہے۔ تو ہاشم بھائی کی ان سے کیا دشمنی؟ اور ویسے وہ قاتل لگتے تو نہیں ہیں۔"

"میں یہ نہیں کہہ رہا کہ ہاشم نے قتل کروائے ہیں۔ مگر مجھے اس میں وہ پھنسا سکتا ہے۔ سب سے بڑی بات۔ میری کار میں جو بھی ڈالا گیا، سو ڈالا گیا، مگر جس صبح میں اور تم علیشا کے پاس ہوٹل گئے تھے، تب پیچھے سے میرے گھر کی بیسمنٹ سے میری گن چرائی گئی۔ نہ کوئی لاک ٹوٹا، نہ دروازہ۔ اتنے گارڈ، سیکیورٹی چیک پوائنٹس اور سی سی ٹی وی کیمروں کے ہوتے ہوئے بھی کوئی کیسے میرے گھر میں داخل ہو سکتا ہے اگر ہاشم اس کی مدد نہ کرے تو؟"

"خیر جھول تو ہر سیکیورٹی سسٹم میں ہوتے ہیں۔ جب لوگ پینٹاگون پہنچ سکتے ہیں، تو کاردارز کا قصر کیا چیز ہے؟" حنین کو بات دل کو لگتی ہوئی نہیں لگی تھی۔

"اور ہاشم کا بیسمنٹ؟ وہ کیوں جلی تھی؟"

"بتایا تو تھا، وہ میری وجہ سے گئی۔ مجھ پہ غصہ جو تھا، وہی نکالا اس نے۔"

"اور اگر اس کو ہاشم نے ذرا دھمکا کر بھیجا ہو تو؟ حنین! میں اس آدمی پہ اعتبار نہیں کرتا۔ وہ صبح اٹھتے وقت آنکھ کھولنے سے پہلے جھوٹ بولتا ہے۔ اب یہ مت کہنا، وہ میرے لیے بہترین وکیل مقرر کر رہا ہے تو اس کا یہ مطلب ہے کہ وہ بہت مخلص ہے۔ تمہیں پتا ہے..." وہ بتاتے بتاتے رکا۔

"کہہ دیں۔ میں سن رہی ہوں۔ میں ہمیشہ سنوں گی۔" وہ اداسی سے مسکرائی۔

فارس نے سر اثبات میں ہلایا اور انگلیاں آپس میں مسلتے ہوئے کہنے لگا۔

"ہم چھوٹے تھے تو ماموں ہم سب کے لیے کھلونے لائے۔ ہاشم کو ٹوائے پستول دیا، مجھے ٹوائے رائفل۔ ہاشم میرے پاس آیا اور کہا، تمہاری رائفل تو بالکل اچھی نہیں۔ اگر میں تمہاری جگہ ہوتا تو ڈیڈ کو یہ واپس کر کے اس سے بہتر لے لیتا۔ میں یہ سن کر فوراً گیا اور ماموں کو وہ واپس کر دی۔ ماموں کو میرے رویے سے بہت افسوس ہوا۔ انہوں نے ایک اور کھلونا مجھے تھما دیا اور وہ رائفل کلائی دکھ سے سامنے کر کے پوچھا، کیا کوئی یہ لے گا؟ ہاشم فوراً گیا اور بہت تابع داری سے وہ لے لی۔ بعد میں، میں نے پوچھا کہ اگر خود لینے کا دل تھا تو مجھے یہ سب کیوں کہا؟ تو وہ بولا، میں نے تو صبح سے تم سے بات بھی نہیں کی۔ اور آگے بڑھ گیا۔ اس دن میں اپنے ماموں کے دل سے اتر گیا اور ہاشم میرے دل سے۔"

"مگر ہم یہاں اصلی گنز کی بات کر رہے ہیں ماموں! ہاشم بھائی بڑے ہوا کے کرپٹ اور جھوٹے بھی، مگر ان کے پاس یہ سب کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ کوئی ایک بھی چیز آپ نے ماموں یا ان کے خاندان کو اس سب میں ملوث نہیں کرتی دکھائی دیتی۔ مجھے لگتا ہے، اورنگ زیب کاردار کے علی الاعلان آپ سے اظہار لاتعلقی کے باعث آپ ان سے ناراضی کی وجہ سے ایسا سوچ رہے ہیں۔"

"ہوں شاید۔" وہ پر سوچ نظروں سے دور دیوار کو دیکھتا نیم قائل ہو گیا۔ یا پھر اب بھی مشکوک تھا۔ اس کو خود نہیں معلوم تھا۔

ملاقات کا وقت ختم ہو چکا تھا۔ صدا دینے والے نے صدا لگائی تو وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ فارس نے نظریں اٹھا کر اسے دیکھا اور ستے چہرے کے ساتھ مسکرا دیا۔

"تھینک یو حنہ۔ دوسری دفعہ میری بات سننے کے لیے۔"

اور پہلی دفعہ کب تھا؟ حنہ کو یاد آیا۔ وارث ماموں کے قتل والی رات، ہوٹل میں جب اس نے ذکر کیا تھا۔ اس لونگ کا۔)

"میں ہمیشہ سنوں گی۔ چاہے پھپھو نہ بھی سنیں۔" وہ رکی ذرا ہچکچائی۔

"جب آپ ان سے ملنا تو ان پہ غصہ نہ کرنا۔ وہ تکلیف سے گزری ہیں اور شاید ایسی تکلیف سے گزرنے کے بعد میں بھی یہی کرتی۔"

"یہی مسئلہ ہے حنین! کہ صرف وہی تکلیف سے نہیں گزریں۔"

"اپنا خیال رکھیے گا۔"

"سنو۔" وہ جا رہی تھی جب فارس نے پکارا۔ وہ بے اختیار مڑی۔

"جی؟"

وہ چند لمحے دیکھتا رہا، پھر آہستہ سے بولا۔ "میں یہاں سے نکلنا چاہتا ہوں۔ کیا تم لوگ مجھے یہاں سے نکال لوگے؟" بدقت یہ کہتے ہوئے اس کی آواز میں ڈھیروں بے بسی اور کرب در آیا تھا۔ حنین کو جھٹکا سا لگا۔ وہ بہت کچھ کہنا چاہ رہی تھی مگر۔

"کاش میں نجومی ہوتی۔" کہا اور باہر نکل آئی۔ فارس نے سر دونوں ہاتھوں میں گرا دیا۔ وہ ایک سرنگ کے اندر کھڑا تھا جہاں دونوں طرف اندھیرا تھا۔ اور دونوں طرف کا منہ بند تھا۔

☆ ☆ ☆

زمر سے بات کر کے ہاشم نے موبائل جیب میں

رکھا اور سامنے دیکھا۔ وہ اپنے کمرے کی بالکونی میں کھڑا تھا اور یہاں نشیب میں واقع فارس کا گھر نظر آتا تھا۔ دوسرے ہاتھ میں پکڑے مگ سے کافی کی گھونٹ بھرتے ہوئے وہ ریلنگ پہ جھک کر، سوچتے ہوئے انیکسی کو دیکھنے لگا۔

جواہرات عقب سے چلتی اس کے ساتھ آ کھڑی ہوئی۔ "میرا خوف بڑھتا جا رہا ہے۔ یہ سارا ڈراما اگر کھل گیا تو؟"

"کچھ نہیں ہو گا۔ صرف دو لوگ ہمارے لیے خطرہ بن سکتے تھے۔ فارس اور زمر۔ اب دونوں مصروف ہیں۔ فارس کا وکیل کیس کو لٹکاتا جائے گا۔ پیشی پہ پیشی۔ کمزور دفاع۔ اور اگلے آٹھ دس سال تو فارس جیل سے نہیں نکلنے والا۔" کہتے ہوئے رک کر گھونٹ بھرا۔ جواہرات مضطرب سی اس کو دیکھے جا رہی تھی۔

"رہی زمر۔ تو وہ بھی اپنے علاج میں مصروف رہے گی۔ ہو سکتا ہے جلد ہی اس کی شادی ہو جائے تو وہ منظر سے بالکل آؤٹ ہو جائے۔"

کافی ختم کر کے مگ پیچھے میز پہ دھرا اور ریلنگ سے ٹیک لگا کر سینے پہ بازو لپیٹ کر ہاشم کو مسکرا کر دیکھا۔

"اور زرتاشہ کا خاندان تو ویسے ہی فارس کو مجرم گردانتا ہے۔ کوئی بھی میرے پیچھے نہیں آنے والا۔"

"تم سعدی کو بھول رہے ہو۔"

"سعدی؟ وہ تو چھوٹا معصوم سا بچہ ہے۔ اس نے فارس کو مجھ پہ چھوڑ دیا ہے' دو سال تک تو وہ پڑھائی کے لیے انگلینڈ رہے گا' پھر وہیں جاب کرے گا' ہم کیا پتا فیملی کو بھی وہاں بلالے۔ باہر جا کر کون واپس آتا ہے۔ اس کی کیا فکر کرنی؟" لاپروائی سے ابرو اچکا کر وہ بولا تھا' جیسے اسے جواہرات کے ان وہموں پہ تعجب ہوا ہو۔

"خدا کرے ایسا ہی ہو۔" اس نے بھی اچھی امید کرنی چاہی۔ پھر دونوں ساتھ جا کھڑے ہوئے اور ویران انیکسی کو دیکھنے لگے۔

آج' چار سال بعد... وہ انیکسی اتنی ویران نہیں تھی۔

اس کی بیسمنٹ میں دیوار پہ لگی تصویروں اور تراشوں کے سامنے فارس کھڑا تھا اور پیچھے کہیں سعدی بیٹھا چائے بنا رہا تھا۔

تراشوں کے اوپر چلتی چار سال پرانی فلم ختم ہوئی تو فارس چونکا۔ پھر ہاتھ میں پکڑے کپ کو دیکھا۔ وہ ہنوز گرم تھا اور وہ اتنا سفر کر کے واپس بھی آگیا تھا۔ ذہن کی رفتار روشنی کی رفتار سے کہیں زیادہ تھی۔

"کچھ کھلائیں گے یا میں جاؤں؟" اپنا کپ خالی کر کے رکھتا سعدی اٹھا تو فارس چونک کر مڑا۔

جینز' جوگرز اور ٹی شرٹ میں ملبوس دراز قد لڑکا' چار سال قبل کے مقابلے میں زیادہ سنجیدہ' صحت مند اور بڑا بڑا لگ رہا تھا۔ تول تول کر بولنے والا مگر اچھا بولنے والا۔

"مرضی تمہاری۔" ایک گھونٹ بھر کر اس نے میٹھی چائے رکھ دی۔ پھر کچھ سوچ کر موبائل اور والٹ اٹھایا۔ "چلو ساتھ چلتے ہیں' کیا سے دو چار دن سے ملاقات نہیں ہوئی۔"

"جی مگر گھر میں پہلے دن جیسی خاطر نہیں ہوگی۔ بھنڈی بنا رہی تھیں امی۔ اب آپ دو ہفتے پرانے ہو چکے ہیں۔" سر نفی میں ہلا کر مسکراتے ہوئے وہ محظوظ سا کہتا سیڑھیوں کی طرف چلا گیا۔ فارس تبصرہ کیے بغیر پیچھے آیا۔

جب کار واپس روش پہ لاتے ہوئے وہ کار دار قصر کے قریب ہونے لگے تو سعدی نے دیکھا۔

ہاشم اور سونیا اپنے ڈیڈی سمیت ابھی تک لان میں کھڑے تھے۔ اب یقیناً کی نوعیت بدل گئی تھی۔

"میں ایک منٹ ہاشم بھائی سے بات کر کے آتا ہوں!" وہ کار سائیڈ پہ روک کر باہر نکلا تو فارس نے بے زاری سے پیچھے سے پکارا۔ "جلدی آنا۔"

اسے آتا دیکھ کر ہاشم نے سونیا سے کچھ کہا' وہ سر ہلا کر ایک طرف کو چلی گئی۔ سعدی قدم قدم چلتا قریب آیا۔

"ہیلو سعدی۔" ہاشم نے مسکرا کر اسے دیکھا۔ دونوں میں سے کسی نے مصافحے کے لیے ہاتھ نہیں بڑھایا۔

"بس ایک بات کہنی تھی ہاشم بھائی۔" وہ سنجیدگی سے اس کو دیکھتا کہنے لگا۔ "شہرین چاہتی ہیں کہ میں آپ سے بات کروں' اس لیے کر رہا ہوں۔ آپ سونیا کو ان کے ساتھ جانے دیں۔ انہوں نے اپنی فلائٹ بھی آگے کروالی ہے۔"

"او کے میں اسے جانے دوں گا' ایک شرط پہ۔" سعدی کے ابرو تعجب سے اکٹھے ہوئے۔ "اور وہ کیا ہے؟"

"جو تم نے مجھ سے چرایا تھا' وہ واپس کر دو' اور میں سونی کو شہرین کے ساتھ جانے دوں گا۔ ڈیل؟" جیب سے دایاں ہاتھ نکال کر ہاشم نے اس کی طرف بڑھایا۔

سعدی نے اس کی سرد مسکراہٹ کو دیکھا اور پھر اس کے ہاتھ کو۔ فیصلہ کرنے کے لیے بس چند سیکنڈ تھے۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)